شوال/ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ MAY 2023

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

AL-Fazl Computer Sre. 9359209995

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۹ شمارہ نمبر ۱

شوال/ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ مئی ۲۰۲۳ء

زرتعاون

فی شمارہ ۳۰/ روپے
سالانہ زرتعاون ۳۰۰ روپے
بیرون ملک سالانہ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ماہِ شوال اور دینی مدارس

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

رمضان المبارک ماہ عبادت ہے اس لئے عام طور پر اسلامی مدارس اور تعلیمی مراکز رمضان شریف میں بند ہوجاتے ہیں تاکہ تعطیل کے ایام میں طلبہ مدارس واساتذہ کرام رمضان شریف کی برکات وانوار سے خوب خوب فیضیاب ہولیں، دلوں میں نور معرفت پیدا کر کے صلاح وتقوی کی نعمت حاصل کرلیں کہ مدارس ومکاتب کے بنیادی مقاصد اللہ کی معرفت اور اسلامی تعلیمات کی روح وحقیقت حاصل کرنا، قرآن وحدیث میں تعمق پیدا کر کے اللہ کے احکام پر خود بھی عمل پیرا ہونا اور دوسروں کو بھی عمل کرانے کی سعی پیہم کرنا ہے۔

ماہ شوال شروع ہوتے ہی عربی مدارس کھلنے لگتے ہیں روزہ اور تلاوت، عبادت اور ریاضت کے ذریعہ پاک صاف دلوں کو علوم اسلامیہ کی تحصیل میں لگایا جائے تاکہ ایمان میں صلابت، علم میں پختگی اور عمل میں مدام پیدا ہو، لہذا عید الفطر کے بعد طالبان علوم نبویہ کے قافلے رخت سفر باندھتے ہیں اور پھر طلب علم، تزکیہ قلب کے لئے ہندوستان کے طول عرض میں پھیلے مدارس دینیہ کا رخ کرتے ہیں،

یہ مدارس دینیہ برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی بقا، دینی شعائر اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے دور حاضر میں سب سے کارگر اور مفید دینی ادارے ہیں، اسلام کی جو شکل اس وقت ہندوپاک میں ہمارے سامنے ہے وہ دراصل انھیں مدارس اسلامیہ کا فیضان ہے، اگر یہ دینی مدارس اور اسلام کے مضبوط قلعے نہ ہوتے تو یقیناً زمانے کی مسموم فضاؤں سے متأثر ہوکر یہ گلستانِ سدابہار بھی خزاں آشنا ہوچکے ہوتے، دین اور اسلام کی اصلی اور صحیح سچی تصویر ہندوپاک سے ناپید ہوچکی ہوتی، ہندوستانی تاریخ میں ایک ایسا خطرناک دور آیا ہے جب علماء اسلام نے اسلام اور دینی شعائر کے تحفظ کے لیے باقاعدہ غور وفکر کر کے ایک تحریک کی شکل میں مدارس اسلامیہ کے قیام کا فیصلہ فرمایا اور وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا اور ماحول وزمانے میں غیر اسلامی افکار ونظریات کو خلل انداز نہ ہونے دیا۔

ماہ شوال سے اسلامی مدارس رمضان کی طویل تعطیل کے بعد دوبارہ کھُل چکے ہیں، اکثر مدارس میں داخلوں کی کارروائی اورامتحانات داخلہ چل رہے ہیں اورعنقریب تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہوجائے گااور دینی علوم ومعارف کے فیضان میں حضرات اساتذۂ کرام سرگرم عمل ہوجائیں گے۔

دینی علوم اور دینی تعلیم کیا ہے؟ اللہ رب العزت کی جانب سے بھیجے ہوئے قوانین اورانبیاء ورُسل کے ذریعہ، ان کی تلقین وتشریح ہی کادوسرانام ’’دینی تعلیم‘‘ ہے۔

علم دین کی اہمیت کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بہت کافی وشافی ہے :

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ یعنی اتنی دینی تعلیم اوراتنی بصیرت ہر مسلم مردوعورت کے لیے بے حدضروری ہے، جن سے وہ دین پر صحیح طور سے عمل پیرا ہوسکیں اورشریعت کے مطالبات کوروبہ عمل لاکر نگاہِ شریعت میں معتبر بن سکیں، پھر خدااوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بن کر، اپنی عاقبت سدھار کر، زندگی گذارسکیں، جوایک مسلمان کانصب العین ہے۔

دینی مدارس میں یہی علم دین سکھایا جاتا ہےاس لئے کہ ہماری دینی درس گاہوں اورمدارس اسلامیہ کا اصل موضوع قرآن وسنت اورفقہ اسلامی ہےانہیں کی تعلیم وتعلّم اوردعوت وتبلیغ مدارس عربیہ دینیہ کامقصود اصلی ہیں، بالفاظ دیگر یہ دینی تعلیمی وتربیتی ادارے علوم شریعت اسلامی کے نقیب اورفرائضِ نبوت: تلاوت قرآن، تعلیم کتاب اورنفوس انسانی کی تطہیر وتہذیب کے مراکز ہیں۔

ماضی قریب میں ان تعلیمی مراکز نے اس عظیم امانت کی حفاظت اوراس قابل صدفخرامانت کوملت اسلامیہ تک منتقل کرنے میں جونمایاں کردارادا کیا ہے وہ ہماری علمی وثقافتی تاریخ کاایک زرّیں باب ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہےجس کااعتراف کئے بغیر کوئی منصف مزاج مؤرخ نہیں رہ سکتا، آج بھی یہ اسلامی مدارس اپنے محدود وسائل وذرائع کے باوجودمصروف عمل ہیں اورملت اسلامیہ کی اولین واہم ترین ضرورت کی کفالت کررہے ہیں۔

علمِ دین سیکھنے والے کواس بات کاخیال رہے کہ علمی دنیامیں انھیں کامیابی اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ علم کودین کے حصول کے لئے سیکھیں، محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا نام طالب العلم والعمل تھا،مگراختصار کے لیےصرف طالب علم بولا جاتا ہے،ہم عمل کواب مقصود ہی نہیں سمجھتے، طالب علمی ہی سے اعمال میں مشغول ہونے کا اہتمام کرنا چاہیے،اپنی تربیت اور اصلاح نفس کی فکرہونی

چاہئے، صرف عمدہ رہائش اور روٹیوں کی فکر ہی نہیں بلکہ علم کی روح اور حقیقت حاصل کر کے تعلق مع اللہ اور خشیت بھی پیدا کرنی ضروری ہے۔

طلبۂ مدارس کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن وحدیث کے جس علم کے حصول میں وہ لگے ہوئے ہیں، اس کا نصب العین دنیا کے تمام کاموں سے بلند ہے، اس کے بلند اور مہتم بالشان ہونے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ طالبِ علم وراثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقدار ہوتا ہے، وہ انسانیت کی تقدیر بدل سکتا ہے، اسی سے ہدایت وروحانیت کے چشمے پھوٹتے ہیں، جس طالبِ علم کے ذہن میں دینی تعلیم کے اس عظیم مقصد کا استحضار ہوگا، وہ اپنی ساری توانائیوں کو علم کے لیے جھونک دے گا، اور پھر مستقبل میں ملت کے لئے بہترین سرمایہ ثابت ہوگا، دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اپنے مدارس کے اساسی مقصد کو سمجھیں اور اللہ ورسول اور خود اپنے سرپرستان کی نظر میں سرخروئی حاصل کریں۔

ماضی میں مدرسہ: استاذ اور طالب علم کا نام ہوتا تھا، مدارس کی عمارتیں کوئی بڑی شاندار نہیں ہوتی تھیں، جہاں پڑھانے کے لیے جگہ میسر آ گئی وہیں تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا تھا، نہ بجلی کا انتظام اور نہ بیٹھنے کے لیے کوئی اعلیٰ قسم کے قالین ہوتے تھے، بلکہ بہت سے مدارس تو ایسے بھی ہوتے تھے کہ ان میں طلبہ کو کھانے اور رہائش کے بھی بے پناہ مسائل سے دوچار ہونا پڑتا تھا، طلبہ کو مدارس دینیہ میں اب جتنی بھی سہولیات مہیا ہیں ان کا شاید ماضی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، نہ ہی طلبہ ان سہولیات کی جانب التفات کرتے تھے کیونکہ ان کا مقصد صرف علم دین حاصل کرنا اور حاصل کیے ہوئے علم پر عمل کرنا ہوتا تھا، وہ تمام مشکلات برداشت کر کے بھی علم دین حاصل کرتے تھے، تمام مشکلات کے باوجود مدارس دینیہ کے طلبہ علم دین کے حصول میں اس قدر منہمک ہوتے تھے کہ انہیں تعلیم وتعلم کے علاوہ دنیا و مافیہا کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی، بلاوجہ کی چھٹی کا مدارس میں کوئی تصور نہ تھا، طلبہ اپنا فارغ وقت بھی علم کے حصول میں صرف کرتے تھے، طلبہ: مدارس میں صرف یہی مقصد لے کر آتے تھے کہ ہمیں اپنی پوری زندگی اللہ کے دین کے لیے وقف کرنی ہے، طالب علم جب فراغت حاصل کرتے تو نصابی کتابوں کے ساتھ سیکڑوں مفید خارجی کتب کا مطالعہ بھی کر چکے ہوتے تھے۔

جیسے جیسے زمانہ گزرتا رہا ویسے ہی طلبہ میں علمی واخلاقی سطح پہ بھی انحطاط آتا جارہا ہے، اب طلبہ میں نہ تو

نصابی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رہا اور نہ ہی خارجی کتابوں سے کوئی سروکار، اکثر طلبہ کو زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے مستقبل کا فکر کھائے جاتا ہے، بہت سے تو درمیان تعلیم کوئی کاروبار بھی شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ان میں علمی استعداد پیدا نہیں ہوتی نہ وہ صحیح طریقے سے علم حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی کاروبار، اساتذہ کا ادب بھی رفتہ رفتہ دم توڑتا جا رہا ہے، آٹھ دس سال مدارس میں گزارنے کے باوجود فرائض وواجبات میں بھی سستی آنا شروع ہو جاتی ہے، طلبہ نے علمی وادبی شوق کی بجائے بہت سے ایسے شوق پال لیے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر طلبہ میں علوم وفنون میں مضبوطی نہیں آتی، اور ایسے بہت ہی کم طلبہ سامنے آتے ہیں جو اکابر کے مزاج کے مطابق چلیں اور ایسا علمی کام کریں جس کی امت مسلمہ کو ضرورت ہے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ طلباءِ مدارسِ اسلامیہ سے خطاب کے دوران خصوصیت کے ساتھ دو چیزوں کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے، اخلاص، اختصاص، اخلاص تو علماء اور طلباء کے لیے اشد ضروری ہے، اخلاص کا اثر جہاں اعمال پر پڑتا ہے، وہیں طلبہ کی استعداد وصلاحیت اور علمی کمال پر بھی پڑتا ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کے کمال کے پیچھے اخلاص ہی کارفرما رہا ہے، طلبہ کو دورانِ تعلیم اخلاص کی عملی مشق کی کوشش کرنی چاہیے، اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے، اس کے لیے ابھی سے کسی شیخِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا چاہیے، اعمال واخلاص کے سلسلہ میں یہ خیال کہ فراغت کے بعد توجہ دی جائے گی انتہائی غلط ہے۔

دوسری چیز اختصاص ہے، موجودہ دَور اختصاص کا دَور ہے، اس دَور میں وہی شخص اپنی افادیت ثابت کر سکتا ہے جو کسی فن میں اختصاص رکھتا ہو اور اس مقام پر پہنچ چکا ہو جہاں لوگ اس کے محتاج ہو جائیں، ویسے طلبہ کو ہر کتاب میں محنت کرنی چاہیے، تاہم جس فن سے ان کو خصوصی دلچسپی یا مناسبت ہو، دورانِ تعلیم ہی سے اس میں خصوصی محنت شروع کرنی چاہیے، متعلقہ اساتذہ کی نگرانی میں اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ فراغت تک فن سے غیر معمولی تعلق پیدا ہوگا اور بعد میں مستقل اس کورس میں حصہ لینا بھی آسان ہوگا۔

درسِ قرآن

نیک بیوی

مولانا مفتی محمد حیان بیگ

استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجًا لتسكنوا إليها ةوجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون۔

اور اس کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں، تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے، یقینا اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔(سورۂ روم آیت ۲۱)

نیک عورت ایک کامیاب اور مہذب خاندان کی جڑ اور بنیاد ہوتی ہے، کسی بھی خاندان کے عروج وارتقاء کا دارو مدار اس کے وجود پر موقوف ہے، نیز ایک صالح معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر کی اساس بھی اسی پر قائم ہے، اور نکاح وہ مضبوط رشتہ ہے جو مرد وعورت کو ایک دوسرے کے بندھن میں باندھتا ہے، اور زوجین میں سے ہر ایک کے دل میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے شریکِ حیات کا ہم سفر اور خوشی اور غم کا ساتھی ہے، نیز نکاح وہ ذریعہ ہے جس سے زوجین میں مودت اور محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، اور باہمی اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

عام طور سے نکاح سے پہلے میاں بیوی الگ الگ ماحول میں پرورش پاتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد ان میں ایسا گہرا رشتہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی پچھلی طرزِ زندگی کو خیر باد کہہ کر ایک دوسرے کے ہو رہتے ہیں، ان کے درمیان جذبۂ محبت ہوتا ہے اور بڑھاپے میں اس پر رحمت اور ہمدردی کا اضافہ ہوجاتا ہے۔(توضیح القرآن/مفتی تقی عثمانی، دامت برکاتہم)

الغرض نیک اور پاکیزہ بیوی دنیا کی نعمتوں میں سے ایک عظیم تر نعمت ہے، اور دونوں جہاں کی سعادت اور سرفرازی کا سرچشمہ ہے، نیک خاتون کے بغیر عائلی نظام تہ وبالا ہوکر رہ جاتا ہے، چین وسکون

غارت ہوجاتا ہے، اولاد تربیت سے محروم رہ جانے کی وجہ سے زمانہ کی گردشوں اور لیل ونہار کی کروٹوں کا شکار ہوکر ضائع اور برباد ہوجاتی ہے، اوران کی فطری صلاحیتیں زنگ آلود ہوجاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشاد گرامی ہے: **أربع من السعادة: المرأة الصالحة، والمسكن الواسع، والجار الصالح، والمركب الهنيئ؛ وأربع من الشقاوة: الجار السوء، والمرأة السوء، والمسكن الضيق، والمركب السوء۔**

چار چیزیں اسبابِ سعادت میں سے ہیں: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی، آرام دہ سواری؛ اور چار چیزیں اسبابِ شقاوت میں سے ہیں: بدکردار پڑوسی، ناہنجار بیوی، تنگ گھر، اور تکلیف دہ سواری۔(صحیح ابن حبان رقم ۴۰۳۲)

عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدنيا متاع، وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة۔

دنیا متاع ہے (وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کی چیز ہے) اور دنیا کا بہترین مال ومتاع نیک بیوی ہے۔(مسلم شریف رقم ۱۴۶۷)

عن ثوبان قال: لما نزل في الفضة والذهب ما نزل، قالوا: فأي المال نتخذ؟ قال عمر: فأنا أعلم لكم ذلك، فأوضع على بعيره، فأدرك النبي صلی اللہ علیہ وسلم، وأنا في أثره: فقال: يا رسول اللہ! أي المال نتخذ؟ فقال: ليتخذ أحدكم قلبًا شاكرًا، ولسانًا ذاكرًا، وزوجةً مؤمنةً تعين أحدكم على أمر الآخرة۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سونے اور چاندی کے بارے میں آیت نازل ہوئی، تو لوگ کہنے لگے کہ: اب کون سا مال ہم اپنے لیے رکھیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں آپ حضرات کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات معلوم کرکے آتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کو تیزی سے ہانکتے ہوئے روانہ ہوگئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے، اور میں بھی پیچھے پیچھے تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: اللہ کے رسول! ہم اپنے لیے کون سا مال رکھیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان، اور ایسی ایمان والی بیوی رکھے جو دینی کاموں میں اس کا تعاون کرے۔(ابن ماجہ شریف رقم ۱۸۵۶)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضور صلی اللہ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے: **من أعطی لله، و منع لله، و أحبّ لله، و أبغض لله، و أنکح لله فقد استکمل إیمانه۔**

جس نے اللہ کی رضا کی خاطر صدقہ کیا، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا ہاتھ روکا، اور اللہ کی رضا کی خاطر کسی سے محبت کی، اور اللہ کی رضا کی خاطر کسی سے دشمنی رکھی، اور اللہ کی رضا کی خاطر نکاح کیا، تو یقیناً اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔یعنی اب اس کے لیے گناہوں سے بچنا کچھ مشکل نہیں رہا۔(ترمذی شریف رقم ۲۵۲۱)

حضرت انس بن مالک رضؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من رزقه الله امرأة صالحةً فقد أعانه الله علی شطر دینه، فلیتق الله في الشطر الثاني۔**(رواہ الطبراني في الأوسط ۱/۲۹۴)

جس شخص کو اللہ تبارک وتعالی نے نیک بیوی عنایت فرمادی تو گویا اسے دین کے ایک حصہ کی تکمیل میں خدا تعالی کی طرف سے مدد حاصل ہوگئی، اب اسے دین کے دوسرے حصے کے تعلق سے خدا تعالی سے ڈرنا چاہیے۔

اس حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ نکاح انسان کو زنا سے روک دیتا ہے، اور اس کے بعد گناہ کے دو اہم دروازوں میں سے ایک دروازہ (شرمگاہ) بند ہوجاتا ہے، اور دوسرا دروازہ (زبان) اب بھی کھلا رہتا ہے، جس کی حفاظت ضروری ہے۔

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من تو کل لي ما بین رجلیه و ما بین لَحییه تو کّلتُ له بالجنة۔**

جس نے مجھے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان یعنی شرمگاہ کی، اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی زبان کی ضمانت دے دی تو میں اسے جنت میں جانے کا بھروسہ دلاتا ہوں۔(بخاری شریف ۶۸۰۷)

اگر کوئی نیک بیوی اپنا کر ازدواجی زندگی کو کامیاب اور باثمر بنانا چاہتا ہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرے، اور مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرے:

۱۔ **صلاۃ الحاجۃ:** جس کا طریقہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھے، نماز کے بعد خدا تعالی کی حمد وثناء کرے، اور درود شریف پڑھے، پھر یہ دعاء مانگے: **لا إله إلا الله الحلیم الکریم، سبحان الله رب العرش العظیم، الحمد لله رب العلمین، أسألک موجبات**

رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل إثم، لا تدع لي ذنبًا إلا غفرته، ولا همًّا إلا فرّجته، ولا حاجةً هي لک رضا إلا قضیتها یا أرحم الراحمین۔

۲— **دعاء** : ضرورت اور پریشانی کے موقع پر رسولِ کریم ﷺ سے بہت سی ادعیہ منقول ہیں، ان کا اہتمام کرنا چاہیے، یہ سب دعائیں مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بآسانی مل جاتی ہیں۔

۳— **اصحاب الرائی سے مشورہ**: کسی بھی اہم کام میں خسارہ سے بچنے کے لیے مشورہ کرنا انتہائی سودمند ہوتا ہے، اس میں خیر وبرکت ہوتی ہے، قرآن وسنت اور اقوالِ سلف میں مشورہ کی بڑی اہمیت اور فضیلت وارد ہوئی ہے، قرآن پاک میں اہل ایمان کی یہ صفت مذکور ہے کہ: **وأمرهم شوری بینهم**۔ (اوران کے آپس کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ سورۂ شوری آیت ۳۸)

۴— **استخارہ**: نکاح جیسے نازک موقع پر اگر سچے دل سے استخارہ کرلیا جائے تو امید واثق ہے کہ شرور وفتن سے حفاظت ہوگی، اور خیر ہاتھ لگے گی۔

استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ: اولا اچھی طرح وضوء کرکے دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے اور پھر مسنون دعاء استخارہ پڑھے، اور جس طرف قلب کا میلان ہو اس پر عمل کرے۔

قرآن کریم کی عظمت واہمیت:

☆ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’قرآن کریم کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کیا کرو، اس عمل سے آسمانوں میں تمہارا ذکر ہوگا اور یہ عمل زمین میں تمہارے لیے ہدایت کا نور ہوگا‘‘۔ (سنن بیہقی)

☆ حضرت سعد بن عبادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن پڑھ کر بھلادے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس حال میں آئے گا کہ کوڑھ کے مرض کی وجہ سے اس کے اعضاء جھڑے ہوئے ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد)

انوارِ حدیث

’’زبان‘‘ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری

استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن أبي هريرة رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلّى اللهُ عليه وسَلَّم يقول: إن العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزلُّ بها إلى النار أبعدَ مما بين المشرق والمغرب۔ (بخاری ۲/۹۵۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ کوئی بات کہتا ہے جس میں وہ غور نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے جہنم میں اس سے زیادہ دور پھسل کر چلا جاتا ہے جتنا کہ مشرق کے درمیان فاصلہ ہے (بعض نسخوں میں ہے کہ جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے)۔

معلوم ہوا کہ زبان کی ذرا سی بے احتیاطی کس قدر تباہی و بربادی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور انسان کو جہنم کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو سب سے زیادہ خطرناک شئی قرار دیا ہے:

عن سفیان بن عبد الله الثقفی قال قلت: یا رسول الله! حَدِّثْنِیْ بِأمرٍ اَعتصمُ به، قال: قل ربی اللّٰہ ثم استقم، قال قلت: یا رسول الله! ما اخوَفُ ماتخاف علیّ، فأخذ بلسان نفسه ثم قال هذا۔ (الترمذی کتاب الزہد، باب حفظ اللسان ۲/۶۶، ابن ماجہ کتاب الفتن ص ۲۸۶)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجیے کہ میں مضبوطی سے اس کو تھام لوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو میرا رب اللہ ہے، پھر اسی پر جم جاؤ، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ خوف ناک اور خطرناک چیز کیا ہے جس کا آپ میرے لیے خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ تو آپ انے اپنی زبان پکڑی پھر فرمایا کہ یہ۔

ایک حدیث میں زبان کی حفاظت کو تمام عبادتوں کی روح اور اصل فرمایا گیا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ایک دن صبح کے وقت میں آپؐ سے قریب ہی تھا اور ہم چل رہے تھے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تو بہت بڑی بات پوچھی ہے مگر جس کے لیے اللہ آسان کردے اس کے لیے آسان ہے۔ تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی شئ کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ شریف کا حج کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سنو! میں تمہیں بھلائی اور خیر کے دروازوں کا پتہ بتاتا ہوں کہ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹادیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھادیتا ہے (اور ایسے ہی خطاؤں کو مٹانے والی چیز) آدمی کا آدھی رات میں نماز پڑھنا ہے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ”تتجافی جنوبهم عن المضاجع“ سے ”جزاء بما کانوا یعملون“ تک پھر آپؐ نے فرمایا کہ سنو میں تمہیں اس امر (دین) کی اصل، اس کا ستون اور اس کی چوٹی بتاتا ہوں کہ وہ جہاد ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت معاذ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ألا أخبرک بملاک ذلک کله، قلت: بلی، فأخذ بلسانه فقال: تکف علیک هذا، قلت: یا نبی الله! و إنا لمؤاخذون بما نتکلم به، قال: ثکلتک امک یا معاذ! هل یکب الناس علی وجوههم فی النار إلا حصائد ألسنتهم۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ ص ۲۸۶۔)

کیا میں تمہیں ان سب کی اصل اور روح نہ بتادوں میں نے کہا کیوں نہیں ضرور بتادیجئے، تو آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا تم اس کو اپنے سے روکے رکھو، میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم جو گفتگو کرتے ہیں اس پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ آپ نے (پیار سے) فرمایا: معاذ تجھ سے تیری ماں محروم ہوجائے لوگوں کو جہنم میں اوندھے منھ گرانے والی چیز ان کی زبانوں سے نکلی ہوئی فضول باتیں ہی تو ہوں گی۔

زبان یوں تو دیکھنے میں گوشت کا ایک معمولی سا ٹکڑا ہے مگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اسے دوسرے اعضائے انسانی کے مقابلے میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ زبان انسانی جذبات واحساسات کی ترجمان ہے۔ تبادلۂ معلومات کا ذریعہ ہے، انسان اور دیگر حیوانات کے بیچ حد فاصل ہے۔ انسان کی روحانی ومادی ترقی میں زبان کا کردار بہت ہی اہم ہے۔ مگر یہ نعمت جتنی زیادہ اہم

،مفید اور عظیم ہے اس کا برتنا اتنا ہی نازک بھی ہے اس کا صحیح استعمال انسان کو جہاں کامیابی وکامرانی کی منازل اور ترقیات کے اونچے سے اونچے مقام تک پہنچا دیتا ہے وہیں اس کا بے جا اور غلط استعمال انسان کو خائب وخاسر اور ناکام ونامراد بنا دیتا ہے اور ذلت ورسوائی کی گہری کھائی میں گرا دیتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ زبان کے استعمال میں بہت احتیاط سے کام لیا جائے ،زبان سے کوئی بات کہنے سے پہلے اس کے انجام کو بھی ذہن میں رکھا جائے اور یہ سوچ لیا جائے کہ یہاں زبان کا استعمال صحیح اور مفید ہے یا نہیں؟

کیونکہ انسان کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ خواہ اچھا ہو یا برا اسے لکھ کر محفوظ کیا جارہا ہے ارشاد خداوندی ہے: ’’اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیَانِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔(ق۵۰/۱۷-۱۸)

جب دو اخذ کرنے والے فرشتے (انسان کے اعمال کو) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار موجود ہوتا ہے (اگر اچھی بات ہوتی ہے تو داہنی طرف کا فرشتہ اور بری بات ہوتی ہے تو بائیں طرف کا فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے)۔

زبان جو اللہ کی ایسی نعمت ہے، اس کی قدردانی اور اس پر شکر ادا کرنا ضروری ہے اور اس کی ناقدری سے بچنا لازم ہے۔ درحقیقت زبان کا صحیح استعمال ہی اس کی قدردانی ہے اور زبان کا غلط استعمال اس کی ناقدری ہے۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سچے ارشادات کے ذریعہ زبان کے صحیح استعمال کے مواقع اور اس کی قدردانی کے طریقے بتلا دیئے ہیں اسی طرح زبان کے غلط استعمال اور اس کی ناقدری کی صورتوں سے بھی ہمیں آگاہ کردیا ہے۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہرعلوم سہارنپور سے شائع کیا

راہِ عمل

رمضان کے بعد کی زندگی

مولانا مفتی محمد راشد ڈسکوی

اللہ رب العزت کی جانب سے دنیا اور آخرت میں انسان کے عمل کے مختلف خوبصورت اور حوصلہ افزا ملنے والے معاوضوں کو اس عمل کا ثواب کہتے ہیں۔ مثلاً: جب نماز کو اس کے مختلف مسائل کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو بدلے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے گناہوں سے رکنے اور رزق میں برکت ہونے جیسے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان ماہ رمضان کو اس کے درست شرعی مسائل اور آداب کی رعایت سے بسر کرتا ہے تو دنیا میں اس کا ثواب یہ ہے کہ اس کے کردار میں تقویٰ آتا چلا جاتا ہے اور آخرت میں اللہ کی جانب سے وہ خصوصی اجر کا حقدار ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ کا وعدہ موجود ہے، یعنی رمضان میں از خود یہ قوت پائی جاتی ہے کہ اس سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال درست ہو جاتے ہیں تو پھر آدمی کو رمضان کے بعد کی زندگی کو سیکھنے اور اپنے اعمال کی درستی کی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

سمجھ لیا جائے کہ قرآن وحدیث کے ایسے وعدوں کا یہ معنیٰ نہیں ہوتا کہ مثلاً: رمضان کے بعد فرشتے روزہ دار کو زبردستی بازو سے کھینچ کر جوئے کے ڈیرے سے اٹھا کر نماز کے پھٹے پر کھڑا کر دیں گے۔ اور نہ ہی یہ ایسی سادہ بات ہے کہ جب ایک مہینہ روزانہ بار بار کچھ اعمال کو کیا جائے گا تو جسم کو ان کی عادت ہو جائے گی۔ اور تقویٰ محض یہ بھی نہیں کہ پانچ وقت مسجد میں جانے کی عادت ہو جائے۔

دراصل تقویٰ تو قلب وروح کی پاکیزگی اور درستی کا ایک قدرتی نظام ہے۔ اس نظام میں ہر عبادت کے ذریعے اللہ پاک بندے کے اندر ایک روحانی کیفیت پیدا فرماتے ہیں جس سے اس کے لیے وہ کام کرنا آسان ہو جاتا ہے جنہیں عموماً سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رمضان کے روزوں سے بھی آدمی کے اندر دو ایسی صلاحیتیں قوت پاتی ہیں جو آدمی کو نیکی پر چلانے کے لیے کمان کی ڈوری کا کام کرتی ہیں۔ آئیے

دیکھتے ہیں کہ وہ صلاحیتیں کیا ہیں۔

رمضان المبارک کے ذریعے اللہ حکیم کے اس تربیتی پروگرام کو ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک زنگ آلود اور خستہ حال مشین کو اگر دوبارہ صاف ستھرا اور قابل استعمال بنا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ ازخود تمام کام کرنے لگے گی۔ بلکہ کاریگر کو ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے اور جن کاموں کے لیے اس مشین کو تیار کیا گیا ہے وہ کام اسی کو اس مشین سے لینے ہوں گے، بشرطیکہ اسے پتا ہو کہ یہ مشین کن امور کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اگر مشین کی کسی ضرورت، مثلاً: آئل کی تبدیلی، پانی کی کمی، شارٹ سرکٹ وغیرہ کی صورت میں کوئی میٹر یا الارم متنبہ کرے تو یہ ضرورتیں کاریگر کو ہی متوجہ ہو کر پوری کرنی ہوں گی۔

اسی طرح؛ رمضان کے ذریعہ ہمارے قلب و روح کی ایک تربیت درج بالا دو صلاحیتوں کی صورت میں کر دی گئی ہے، اب یہ ہمارا کام ہے کہ رمضان کے بعد، جب بھی دل میں نیکی کے لیے رغبت اور بدی کے خلاف کھٹکا پیدا ہو تو ہم پورے شعور سے متوجہ ہوں۔ اور اپنے جسم سے درست سَمت میں وہ کام لیں جن کے لیے رمضان میں اسے تیار کیا گیا ہے۔ رمضان کا بنیادی ہدف انسان میں تقویٰ کی صفت کو پیدا کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔

تعلق مع اللہ

کہتے ہیں جس چیز کے لیے جان، مال اور وقت لگتا ہے اس کی اہمیت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل پورا ماہ جن مشقوں اور مشقتوں سے مسلمان گزرتا ہے یہ اس کی، اللہ کی ذات سے محبت و تعلق کو بہت زیادہ قوی تر کر دیتی ہیں۔ اللہ کی رِضا کے لیے بھوک برداشت کرنا، پیاس سہنا، بے آرام ہونا، سونے جاگنے میں اوقات کی بے ترتیبی اور روزمرہ کے گھر بار کے دھندوں کے ساتھ لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، اور بسا اوقات یہ سب کچھ کرنے میں اپنے اَمراض کا بھی کچھ خیال نہ کرنا، یہ سب مشقتیں دیکھیے کہ ہمیں کس چیز کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ اعتکاف کے زمانہ میں ساری دنیا اور اس کے ظاہری اَسباب سے کٹ کر اللہ ہی کا ہو رہنا اور طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، بلکہ یہ اس تعلق کو عروج پر پہنچانے والے اعمال ہیں۔

اچھا، پھر ان سب کے ساتھ ایک بڑی اہم بات! آدمی جسمانی تکالیف تو پھر بھی برداشت کر لیتا ہے، البتہ! ذہنی تکلیف اٹھانا اور وہ بھی ایسی جو سمجھ سے باہر ہو، یہ بہت مشکل کام ہے۔ اور جب ایسی تکلیف

بلا سوچے سمجھے کسی کی محبت میں اٹھائی جائے تو پھر وہ محبت انتہائی اعلی درجے پر جا پہنچتی ہے۔ ذرا غور کیجیے؛ ایک عجیب سے وقت پر اٹھ بیٹھنا اور اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کھانا، پھر سارا دن اپنے حلال رزق اور حلال بیوی سے دور رہنا اور پھر سارے دن کے بعد عین آرام کے وقت ٹوٹے ہوئے جسم کو لے کر ایک طویل نماز کے لیے کھڑے ہوجانا؛ کیا اس میں بظاہر جان، مال اور وقت کا حرج نظر نہیں آتا؟ کیا عموماً ایسے طرز و ترتیب والے کو بے وقوف نہیں کہا جاتا؟ کیا پھر بھی اس ماہ میں یہ سب کچھ خوشی سے نہیں کیا جا رہا؟ کیا یہ سب باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں؟ نہیں، تو کیا ایسا نہیں ہے کہ اس ماہ مقدس میں انسان کی عقل وسمجھ کو اللہ تعالی کی منشاء کے تابع کر دیا گیا ہے؛ اور ایک گوشت پوست کے کمزور خاکی جسم کو حیرت انگیز توانائیاں عطا کر کے اس رحیم و کریم دوست کی دوستی پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار کر دیا گیا ہے؟

اب رمضان کے بعد بھی اس تعلق کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے اور ذاتی خواہشات سے اس کو بچاتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یعنی: ہم ہر معاملے میں اللہ رب العزت کی منشاء کو ترجیح دیں گے، اگرچہ بظاہر اپنا نقصان ہوتا ہوا نظر آئے اور اس کے دین کو، سنت طریقے پر، اپنی اور دوسروں کی زندگیوں میں لانے کی کوشش کریں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اسی طرح دین نے رمضان المبارک میں صدقۃ الفطر یعنی فطرانہ متعارف کرایا۔ یہ صدقہ صاحبِ حیثیت افراد پر، نماز عید الفطر سے پہلے پہلے، مستحقین کو ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ معاشرے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور غرباء کی حاجت روائی کی عمومی فضا قائم کرنے کے لیے، زکوۃ اور عام صدقہ سے ہٹ کر، شریعتِ مطہرہ نے فطرانہ میں چار دلچسپ خوبیوں کا اضافہ فرما دیا ہے۔

ایک یہ کہ اس صدقہ کے وجوب کے لیے صاحبِ مال کے مال پر ایک سال گزرنا ضروری نہیں؛ عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت حسب نصاب مال ملکیت میں آ گیا، تو فطرانہ واجب ہو گیا۔

دوسری یہ، کہ شریعتِ حکیمانہ نے اس بات کی بھرپور ترغیب دی ہے کہ وہ لوگ جن پر فطرانہ واجب نہیں ہوتا وہ بھی اس کی ادائیگی کر دیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

تیسری یہ، کہ ادا کرنے والا محض اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے زیرِ کفالت تمام افراد کی جانب

سے صدقہ ادا کرے۔

اور چوتھی یہ، کہ اسی لیے لوگوں کی مختلف مالی حیثیت کے پیش نظر فطرانہ کی مختلف مقداریں مقرر فرمائی ہیں، تا کہ کوئی بھی کمانے والا اس صدقہ کی ادائیگی سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ، جب زیادہ سے زیادہ لوگ اس صدقہ کی ادائیگی میں سے گزرتے اور مستحقین کی تلاش میں کھپتے ہیں تو یہ بھلائی محض امراء کے دائرہ تک محدود نہیں رہ جاتی، بلکہ پورے معاشرہ میں رواج پاتی ہے۔ ان مستحقین کے اندرونی حالات ان لوگوں پر بھی کھل جاتے ہیں جو پہلے ان سے بے خبر تھے۔ یہ خبر پھر رمضان کے بعد بھی ان کی دلجوئی، غم گساری اور مالی تعاون کے لیے معاشی طور پر ان سے بہتر طبقے کو ضرور اُکساتی رہتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی صفت پیدا کرنے کے لیے رمضان میں ہی ایک اور مشق، جو اس سلسلے میں مالدار مسلمان کو غریب مسلمان کے لیے فکر مند کرتی ہے، یہ ہے کہ اُس مالدار کو روزے کی حالت میں اُس کے اپنے رزق سے ہی گھنٹوں دور رکھ کر بھوک کے احساس میں سے گزارا جاتا ہے۔ اِس احساس میں سے غریب آدمی سارا سال گزرتا ہے، حالانکہ اللہ پاک نے مالداروں کے رزق میں اس کے لیے ایک حصہ مقرر فرما رکھا ہے، فرمایا: وَ الَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔ اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے، سوالی اور بے سوالی کا''۔ البتہ قانوناً یہ غریب آدمی اپنی مرضی سے اپنے اُس حصہ کو لے بھی نہیں سکتا۔ اب مالدار کو بھی اس غریب اور مستحق بندے کی طرح اِس احساس کا تھوڑا سا ذائقہ دیا جا رہا ہے، کہ اِس مالدار روزے دار کے سامنے اِس کے اپنے گھر میں وہ رزق موجود ہے جس پر اِس کا اپنا مالکانہ حق ہے مگر روزہ کی وجہ سے یہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

حیاء اور شائستگی

لوگ اپنے جائز ازدواجی تعلق میں بھی خود پر ایسا قابو حاصل کریں کہ کسی نامحرم کی طرف نظر نہ اٹھے۔ یہی ایک دل ہے جس میں نفسانی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی ایک جسم ہے جس سے ان جذبات کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اب یہ جذبات مُثبت ہوں یا منفی، ان کا اظہار جائز راستہ سے ہو یا ناجائز راستہ سے، ہر صورت میں یہ جذبات پیدا اسی دل میں ہوں گے اور ان کا اظہار بھی اسی جسم سے ہوگا۔ لہٰذا جو شخص، مرد ہو یا عورت، با حیا بننا چاہے وہ اپنے اندرونی اسی نظام پر قابو پانا اور اسے درست رخ پر استعمال کرنا سیکھے۔

ان باتوں کی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے،یعنی: دل میں اللہ پاک کی ناراضی کا خوف رکھنا اور اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ یہ اس تفصیل کا موقع نہیں ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کے لیے اس سلسلہ میں روزے کے مکروہات ومفسدات کے کیا کیا احکام ہیں؛ یہاں بس یہ اشارہ دینا مقصود ہے کہ ان احکام سے اللہ تعالی ہمارے لیے سختی نہیں بلکہ ہماری تربیت فرمانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم سارا سال اپنی زندگیاں پاکیزہ طور پر گزارنے کے لیے اس تربیت میں سے شُعوری طور پر گزریں، صرف یہی نہیں کہ جناب بڑی مشکل سے کچھ ضابطوں کی پابندی کرلی ہے اور ہر دفعہ کی طرح بس روزے رکھ لیے ہیں۔اب سوچیں کہ اس مشق کے اعلی تربیت یافتہ شخص کے سامنے جب رمضان کے بعد کسی شیطانی حملے کے موقع پر اندر سے یہ آوازیں پیدا ہوں گی کہ **قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ**۔[النور ۳۰]مؤمن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، وہ جو کاروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے، اور **وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى**۔[النازعات ۴۰] لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا؛ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی،تو کیا یہ شخص ان شاء اللہ اس امتحان سے کامیابی سے گزر نہیں جائے گا؟!یہ تربیت ان شاء اللہ اس وقت کام آئے گی۔

اَخلاق اور حسن معاشرت

زیر مطالعہ یہی اسلوبِ تربیت ایک مسلمان کے انفرادی اَخلاق کی تعمیر اور اجتماعی حسن معاشرت میں بھی کارفرما ہے۔ایک بہت چھوٹی سی مثال ملاحظہ فرمائی جائے۔عام دنوں کی طرح رمضان میں بھی لوگوں کے گھر اور کاروبار کی ذمہ داریوں کے اوقات کار مختلف ہی ہوتے ہیں، پھر بھی اس ماہ میں روزانہ ہر کھانے کے وقت گھر کے تمام افراد اکٹھے ایک دسترخوان پر موجود ہوتے ہیں۔تو کیا اس ترتیب کو اپنی عمومی زندگی میں لاگو کرنے سے ہر کنبے کے افراد میں باہمی محبت اور تعلق میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہوگا؟!

اسی طرح اس ماہ عظیم میں بظاہر معمولی دِکھنے والی کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر بڑی بڑی اَخلاقی برائیوں کی صفائی کردی گئی ہے۔مثلاً: غیبت؛ ایک عام مسلمان سات پردوں میں بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاتا، مگر اس کے

لیے غیبت کرنا، بیت اللہ میں بیٹھ کر بھی آسان ہے۔ غیبت کے متعلق قرآن وسنت علٰی صَاحِبِہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں واضح ارشادات موجود ہیں، پھر بھی اسے رمضان کے ساتھ خصوصی طور پر منتھی کیا گیا۔ دو صحابیات رضی اللہ عنہا کو روزہ میں حالت غیر ہونے کے باعث قے کروائی گئی اور ان کے اندر سے تازہ گوشت کے لوتھڑے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس حالت کا سبب یہ بتایا کہ وہ دونوں سارا دن لوگوں کی غیبت میں مصروف رہیں۔

گویا قرآن مجید نے جو اس گناہ کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قرار دیا ہے، تو روزے کے دوران اس واقعہ سے اس بات کی عملی تشریح لوگوں کے سامنے آ گئی۔ یہ واقعہ اور ایسے ہی کچھ دیگر واقعات کی بنا پر کچھ فقہا یہاں تک گئے ہیں کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ آدمی کسی سے بدزبانی نہ کرے، بلکہ یہاں تک ترغیب دی گئی کہ اگر کوئی تم سے جھگڑنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ بھئی میرا روزہ ہے؛ یعنی مجھ سے جھگڑا نہ کرو، یا یہ کہ میں جھگڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ روزے کی اپنی کیفیات میں ایسا تأثر رکھ دیا کہ خود ہی کسی سے زائد بات کرنے سننے کو جی نہ چاہے۔

اس کے علاوہ خصوصی حکم جاری کیا گیا کہ رمضان میں روزہ داروں کی مشقت کم کر دی جائے۔ اس کا معنی محض یہ نہیں ہے کہ اپنے ملازمین کے اوقات کار کم کر دیئے جائیں، بلکہ اس کی وسعت میں تھوڑا غور کر کے دیکھیں: باہمی احسان و شکر گزاری، ہمدردی، ایثار، محبت، رشتوں کی قدر و قربت اور احساس کی مٹھاس اس حکم میں پائی جاتی ہے۔ مختصر اشارے سے یوں سمجھیے، کہ اپنے گھر میں اور گھر سے باہر اپنے تمام ماتحتوں سے ان کی ذمہ داریوں کا بوجھ جتنا ہو سکے ہلکا کر دیجیے؛ اور اپنے سرپرستوں سے مطالبات جتنا ہو سکے کم کر دیجیے۔ شاید یہ ہے روزہ دار کی مشقت کم کرنے کا مفہوم، اور اگر یہی ہے تو ان لوگوں کا تصور کیجیے جو ان اخلاق کو اپنے مزاج کا حصہ بنا کر رمضان کلاس سے نکل رہے ہیں کہ وہ کیسا خوبصورت معاشرہ تشکیل دیں گے۔

شریعتِ حَسَنہ کی یہ چھوٹی چھوٹی ترغیبات ہم سے تقاضا کر رہی ہیں کہ ہم یکم شوال سے اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنت کی روشنی میں ان صفات کے مطابق ڈھالیں۔

اللہ تعالی ہمیں اپنے دین کی حکمتوں سے آشنا فرمائے اور اخلاص و احسان سے پُر اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

عصرِ حاضر

دور جدید میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت

آزاد قاسمی — خادم جمعیۃ علماء ہند

اس وقت ہمارا مطمحِ نظر مسلم امہ میں تعلیمی پسماندگی کے تناظر میں کچھ گوش گزار کرنے سے ہے، انسانی فطرت میں خالق کائنات نے یہ بات ودیعت کررکھی ہے کہ انسانی جبلت کسی محدود شے کے حصول پر قانع نہیں رہتی، وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں دن ورات سرگرداں رہتی ہے، ہمیشہ سے انسانی خواہش رہی ہے کہ سماج اور معاشرتی زندگی میں کس طرح اپنی عزت وجاہ کی بالادستی قائم کی جاسکے، خواہ اس کو حاصل کرنے میں کسی حد تک جانا پڑجائے؛ لیکن ہماری کوشش آج بھی انسانی زندگی پر اثرانداز ہونے والی سب سے مؤثرترین دولت تعلیم کے حوالہ سے بے پرواہ اور لاابالی پن کا شکار ہے، رائج اعدادوشمار یہ بتاتے ہیں کہ مسلم معاشرہ عصری اور تکنیکی تعلیم کی طرف مثبت قدم بڑھا تو رہی ہے: لیکن جس تیزی اور برق رفتاری کا یہ میدان متقاضی ہے، اس میں اب بھی ہم دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں، جس کا اندازہ وقت وقت پر جاری ہونے والی مختلف بین الاقوامی سروے رپورٹوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اس طرح کی شماریات کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم امہ میں تعلیم کا رجحان پہلے کے مقابلہ میں کچھ بڑھا ضرور ہے؛ لیکن جدید تعلیم کی تحقیقات اور جدید مشمولات تک رسائی میں سردمہری جوں کا توں برقرار ہے، عصری تعلیم سے منسلک اسکالر اور محقق عام طور پر موجودہ مواد کی تحقیق کے بجائے اس کے تراجم پر زیادہ دھیان مرکوز کررہے ہیں، جس کا خاطرخواہ فائدہ نظر نہیں آرہا ہے، ہماری معاشرتی زندگی میں خاص کر شمالی ہند میں اب پہلے سے کہیں زیادہ لوگوں میں بچوں کی تعلیم کے لیے فکری مندی دیکھنے میں آرہی ہے، لوگ اپنے بچوں کی بہتر تعلیم کے لیے بجٹ تک مختص کررہے ہیں، جس کی تحسین کی جانی چاہیے اور اس

کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے؛ تاکہ اس بیدار مغزی کی لو کو اور تیز کیا جاسکے۔

لیکن بحیثیت مسلم امہ ہماری کچھ دینی وملی ذمہ داریاں بھی ہیں ،جس سے ہمارا معاشرہ اب بھی باہر نہیں نکل پایا ہے، معاشرہ اور سماج کو اس سے باہر نکالنے کے لیے بڑے پیمانہ پر تعلیمی مہم کی ضرورت ہے؛ تاکہ دور دراز گاؤں میں بسنے والے افراد اور معاشی پسماندگی کے شکار لوگوں کے دلوں میں بھی تعلیم کی جوت جگائی جاسکے اور ان کو اس بات پر قائل کیا جائے کہ بچوں کے بہتر مستقبل کی تعمیر میں اچھی اور معیاری تعلیم کیوں کر ضروری ہے؟۔

حکومتی سطح پر شرح خواندگی بڑھانے کے لیے کچھ سال پہلے یوپی اے دور حکومت میں مڈے میل جیسی اسکیم لاکر معاشی پسماندگی کے شکار افراد کے بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے اور اس کو زندگی کا جزء لاینفک بنانے کی کوشش کی گئی تھی، باضابطہ چھ سال سے چودہ سال تک کے بچوں کے لیے تعلیم کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم بھی کیا گیا تھا ،جس کا مثبت نتیجہ دیکھنے کو مل ضرور رہا ہے؛ لیکن اب بھی اس میدان میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے،اس تسلسل میں اگر ہم ملت کے بچوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک طرح کی سرمہری کے ساتھ ساتھ ماڈرن کلچر کی طرف رغبت زیادہ محسوس ہوتی ہے، بچوں کی تربیت اور تعلیم کے لیے جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ اسکول وکالج کے ساتھ تربیت یافتہ اساتذہ کی ہوتی ہے،ہم اپنے بچوں کو نامی گرامی اسکول وکالج میں داخلہ کرواتو دیتے ہیں؛ لیکن اس میں بڑی حد تک لاپرواہی بھی کرجاتے ہیں، ہماری سوچ صرف اس بات پر مرکوز رہتی ہے کہ ہمارے بچے معیاری اور ہائی لیول اسکول کے طالب علم ہیں باقی اور کچھ نہیں دیکھتے ، جبکہ بحیثیت سرپرست ہمارے اوپر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے بچوں کی عادات واطوار کا تجزیہ کریں ،اور اس کے ہر عمل پر اپنی نظر رکھیں ، اس کے آپسی برتاؤ اور دینی معاملات کے حوالہ سے بھی گاہے بہ گاہے جائزہ لیتے رہیں ؛ کیونکہ عام طور پر آزاد خیال ادارے میں بے جا آزادی کو پرموٹ کرنے کا ایک رجحان پایا جاتا ہے،جس کا منفی اثر بچوں کے ذہن میں گھر کرجاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں زندگی بھر ہمیں اس لاابالی پن کے سہارے جینا پڑتا ہے۔

اس وقت ہمیں پہلی فرصت میں اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اپنی اولاد کو اچھی تعلیم سے آراستہ کرنے اور اس کے تابناک مستقبل کی طرف رہنمائی ہمارا مذہبی، ملی واخلاقی فریضہ بھی ہے، ہماری

ایک معاشرتی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم اپنے پاس پڑوس اور محلہ میں لوگوں کو اس جانب متوجہ کریں، ان کو تعلیم کی اہمیت وضرورت سے متعلق ترغیب دیں تاکہ قوم کے بچے تعلیم سے آراستہ ہوکر ایک اچھا شہری بن سکیں اور ملک وملت کی خدمت کے قابل ہوسکیں، اس سے کسی بھی مرحلہ میں کاہلی سستی اور بے رغبتی ملک وملت دونوں کے لیے خسارہ کا سودا ہوگا؛ کیونکہ تعلیم کے تناظر میں آنے والی اکثر رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ مسلم اقلیت کے بچے ڈراپ آوٹ میں سب سے آگے ہیں، ہائر سکنڈری اسکول تک جاتے جاتے ہمارے بچے اسکول سے ڈراپ آوٹ ہوجاتے ہیں جو قابل توجہ نقطہ ہے، اس پر بہت سنجیدگی سے غور وفکر اور تجزیہ کی ضرورت ہے۔

موجودہ وقت میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی درپیش ہے کہ بغیر کسی تحقیق کے ہم اپنے بچے کو غیر معیاری اسکول کے حوالہ کردیتے ہیں، پھر فکر معاش اور دیگر دنیاوی جھمیلوں میں کچھ اس قدر مشغول ہوجاتے ہیں کہ پلٹ کر کوئی خبر نہیں لیتے، بس صرف بچوں کو اس کی صلاحیت سے زیادہ بوجھ تلے جکڑ دیتے ہیں اور خالص انگلش کے چند الفاظ بول لینے کو تعلیمی معراج تصور کربیٹھتے ہیں، اگر یہی طالب علم کسی مقابلہ وغیرہ میں خاطر خواہ نمبرات نہیں لاپاتا ہے، تو طرح طرح کے طعنہ سے اس ناپختہ ذہن کو گزرنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ کبھی کبھی اس قدر بھیانک انداز میں سامنے آتا ہے کہ بچہ زندگی کی قیمتی ڈور اپنی سانس تک کو ختم کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے، ایسے لاتعداد واقعات ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں اور پھر ہم ہائے افسوس کا ماتم کرنے لگتے ہیں۔

عصری تعلیم وقت کی ضرورت ہے، اگر یوں کہا جائے کہ ناگزیر ہے تو کسی طور غلط نہ ہوگا، اکیسویں صدی کے بدلتے ہوئے حالات میں عصری تعلیم سے محرومی جہالت کے زمرہ میں ہی تصور کی جائے گی؛ لیکن اگر یہ تعلیم دین وایمان کے سودے کے ساتھ ہو تو ہمارے لیے بہت بڑی حرماں نصیبی ہوگی جس کی بھرپائی کا ہمارے پاس کوئی موقع میسر نہ ہوگا؛ کیونکہ جب سادہ دلوں اور کورے اذہان پر ایمانیات اور وحدانیت سے بیزاری کی لکیریں کھینچ دی جاتی ہیں تو اس کو محو کرپانا بے حد مشکل مرحلہ ہوتا ہے؛ اس لیے ملت کے بہی خواہ اور سماجی کارکن کو آگے آنا چاہیے اور اپنے زیر اثر علاقوں میں بچوں کے سرپرست کو اس بات کی رہنمائی کرنی چاہیے کہ عصری تعلیم کے لیے ہم کس طرح کے ادارہ کا انتخاب کریں، اسلامی مزاج میں علوم کے حصول کی تحدید نہیں ہے؛ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کے بیشمار اقوال وافکار سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم قیدی کو جرمانے کے عوض عبرانی زبان اور اس وقت جس زبان کی ضرورت تھی صحابہ کرامؓ کو سکھانے کے لیے متعین کیا تھا، اس طرح کے اقوال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کے حصول میں کسی طرح کی کوئی بندش نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس زبان وعلم کی رو میں بہہ کر اپنے ایمان کا سودا کر بیٹھنے کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ موجودہ دنیاوی تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے جس علم کی بھی ضرورت ہو اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کریں، اس کے حصول میں کسی طور بھی بے اعتنائی کا ثبوت نہ دیں؛ بلکہ ہر لمحہ بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کریں لیکن پھر بات وہیں آجاتی ہے کہ ایمان کے سودے کے ساتھ کسی طرح کی تعلیم ہماری عاقبت کی خرابی کا باعث نہ بنے؛ تاکہ ہمیں روز محشر شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے؛ کیونکہ بطور گارجین ہمیں روز قیامت اپنی اولاد اور کنبہ کے حوالہ سے بھی سوالات کا سامنا کرنا ہے، یاد رکھیں ترقی کے مواقع خود نہیں آتے؛ بلکہ انھیں حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے لیے تعلیم سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، ہم تعلیم کے ہتھیار سے ہی درپیش چیلنجوں کا نہ صرف کامیابی سے مقابلہ کرسکتے ہیں؛ بلکہ خود کو پسماندگی کی دلدل سے باہر نکال کر قوم وملت کو عزت ووقار کی جگہ پر کھڑا کرسکتے ہیں۔

حلال روزی کی کوشش پر اجر وثواب:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکر وکوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔

"عن عبداللہ قال قال رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ كَسْبِ الْحَلاَلِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ"۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، رواہ الطبرانی ۱۰/رقم: ۹۹۹۳)

اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اجر وثواب کا مستحق ہے، تو کسبِ حلال کی فکر وکوشش اور اس میں مشغول ہونا بھی دین وعبادت اور اجر وثواب کا باعث ہے۔

پیغامِ سیرت

دورِ حاضر میں سیرت نبویؐ سے رہنمائی

محمود ضیاء بن مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی
مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد ضلع مئو

آج پوری دنیا بالخصوص ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمان ظلم و جبر، خوف و پریشانی اور فرقہ پرست عناصر کے مظالم کے شکار ہیں، اور کم وبیش پوری دنیا کے مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں، کبھی انہیں جھوٹا و دغاباز کہا جاتا ہے تو کبھی انہیں ملک کا غدار اور دہشت گرد کہہ کر پکارا جاتا ہے اور ان پر سی اے اے اور این آر سی جیسے متنازع قوانین نافذ کر کے اپنے ملک (جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک پوری شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی تھی، جنہوں نے تاج محل، لال قلعہ اور جامع مسجد جیسی سیکڑوں حسین وجمیل عمارتیں بنوا کر اس ملک کو زینت ورفعت عطا کی تھی، جنہوں نے جلیاں والا باغ، میدانِ شاملی اور دہلی و میرٹھ کی سڑکوں پر صرف اس ملک کی آزادی کے لئے اپنی جانیں نچھاور کر کے جام شہادت نوش کیا تھا) کی زمینیں ان پر تنگ کی جارہی ہیں، ایک جمہوری ملک ہونے کے باوجود آئے دن ان پر نئے نئے الزامات عائد کئے جاتے ہیں، ان کی تاریخی یادگاروں اور مساجد و مدارس کو نشانہ بنایا جارہا ہے، حدتو یہ ہے کہ ان شرپسند عناصر نے اب اس اقلیت کے اپنے مذہبی مسائل میں بھی مداخلت شروع کردی ہے، اور کبھی حجاب اور تین طلاق جیسے شرعی مسائل میں مداخلت کر کے علامہ اقبال کے اس مصرع (سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا) کے مصداق ملک کو داغدار اور کھوکھلا کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہیں۔

اور یہ سب حالات وواقعات کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں، ہر مسلمان اس سے واقف ہے، اور ہر کوئی اپنے اپنے نظریہ اور خیال کے مطابق اس کی وجوہات بھی بتارہا ہے۔ کوئی اسے علماء کرام کے سر تھوپ رہا ہے کہ یہ حضرات مصلحت کی چادر اوڑھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی عملی قدم نہیں اٹھارہے ہیں، یہ حالات اسی کا نتیجہ ہیں۔ کسی کی رائے یہ ہے کہ مسلمان اپنی حیثیت سے بہت کم سیاست میں حصہ لیتے ہیں، اگر آج وہ سیاست میں

بھر پور حصہ لیتے تو مسلمانوں پر یہ دن نہیں آتے اور کوئی اسے قیامت کی نشانیوں میں سے تصور کر رہا ہے۔ بہر حال اس جیسے بہت سارے افکار و نظریات مسلمانوں کے اندر پائے جا رہے ہیں، لوگ خبریں پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور آئندہ حالات کے مثبت و منفی ہونے کا اندازہ لگاتے اور بازاروں اور ہوٹلوں میں تبصرہ آرائی کرتے ہیں، کبھی کوئی ماضی میں جھانک کر نہیں دیکھتا کہ کیا کبھی ایسے حالات ماضی میں بھی مسلمانوں پر آئے ہیں؟ اگر آئے ہیں تو کون سی تدبیر مسلمانوں نے اپنائی جس کی وجہ سے وہ ان مظالم سے آزاد ہوئے؟ ان کفار اور ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ مظلومین و صابرین پر کتنے اجر و ثواب کا وعدہ ہے؟ اگر موجودہ دور میں بھی ان سوالوں پر غور کیا جائے اور اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ مسلمان کامیاب و کامران نہ ہوں۔

اگر مسلمانوں کو کسی ایسے دور کو دیکھنا ہو جس میں مسلمانوں پر اذیتوں اور تکلیفوں کی انتہا کر دی گئی ہو، ان پر زندگی تنگ کر دی گئی ہو، تو سب سے روح فرسا دور اور سب سے صبر آزما عہد آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک ہے، اس دور میں خود آپ ﷺ پر ظلم و جبر کا جو سیلاب بلا خیز آیا، اس کی مثال تاریخ میں نایاب ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کو تمام دنیا والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا تھا جس کو اپنے پاک کلام میں وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے، جو خوشخبری بھی سنائے اور خبر دار بھی کرے؛ کہہ کر پکارا، جس کی تعریف و تحسین اس کی ولادت سے کئی سو سال پہلے تورات و زبور اور انجیل میں کر دی تھی، جس کے لئے اس نے اس جہان کو سجایا اور بسایا تھا۔ اور جب یہ محب و محبوب اور خدا کا پیارا بندہ اپنے رب کے حکم کے مطابق رسالت و نبوت پا کر اپنے لوگوں میں آتا ہے تو اس کے ساتھ عزت و وقار کا معاملہ نہیں کیا جاتا ہے، اس کو مقبولیت و محبوبیت نہیں ملتی، اس کو سلطنتیں اور حکومتیں نہیں عطا کی جاتیں، بلکہ اس کو زد و کوب کیا جاتا ہے، ایذائیں دی جاتی ہیں، مصیبتوں اور سزاؤں سے نوازا جاتا ہے۔ جب یہ داعی صفا پہاڑ پر چڑھ کر قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دیتا ہے تو اس کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اسے برا بھلا کہا جاتا ہے، جب یہ پیغمبر آخر الزماں اپنے رب کے پیغام کو لے کر طائف کی گلیوں میں پہونچتا ہے تو اس کے اوپر پتھر برسانے والے نوجوان اوباشوں کو ان کے پیچھے لگا کر آپ ﷺ کو خون سے لہو لہان کیا جاتا ہے، اس کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں، بحالت نماز جسم مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی

جاتی ہے، کبھی ان کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا جاتا ہے کہ زمین پر گر پڑتے ہیں، کبھی انہیں تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر کے انہیں چمڑے اور پتیاں کھانے پر مجبور کر دیا جاتا ہے،

یہ ظلم وزیادتی صرف آپ تک محدود نہ رہی بلکہ آپ کے اصحاب واشخاص کو بھی اس کا سامنا کرنا پڑا، یہ اصحاب واشخاص بھی خدا کے دین کے داعی، دین اسلام کے متوالے، انبیاء ورسل کے بعد اس عالم فانی میں سب سے افضل وبرتر افراد تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے وعباد الرحمن (رحمن کے خاص بندے) کہا، اللہ تعالی نے ان میں وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو اس کے نزدیک پسندیدہ تھیں۔ مگر ان نفوس قدسیہ پر بھی ظلم وجبر کا بادل خوب برسا، بالخصوص کمزور اور مفلس صحابہ کرام پر بے انتہا ظلم ہوئے، کبھی انہیں عرب کی تپتی ہوئی دھوپ میں دوپہر کے وقت زمین پر لٹا کر ان کے سینوں پر پتھر رکھے جاتے، تو کبھی لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی میں ڈبکیاں دیتے، کبھی ان کو اس قدر مارتے کی مار کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو جاتے۔ اس ظلم وجبر کے نتیجہ میں انہوں نے تبصرہ آرائی نہیں کی، کسی کو برا نہیں کہا، بلکہ صرف وہی اعمال انجام دئے، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، ان کا کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا اور گفت وشنید سب اللہ کے حکم کے مطابق تھی، انہوں نے اپنے عادات واطوار اور جسم وبدن کو نبی کے مشابہ کیا، ان کی سنتوں کو اپنایا، نبی کے ایک ایک عمل اور فعل کو اپنے اوپر نافذ کیا، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ایذاؤں اور آزمائشوں سے نکال کر محبوبیت ومقبولیت عطا کی، جاہ وجلال اور شہرت وعزت دی، ان کو ظالموں پر غالب کیا، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان صحابہ کرامؓ نے آدھی دنیا پر اسلام اپھریرا لہرایا اور شان وشوکت سے آدھی دنیا پر حکومت کی، یہ اسی صبر وشکر، اطاعت و فرمانبرداری، اور آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سیرت پر مر مٹنے کے جذبہ کی وجہ سے تھا۔

اُس وقت اور آج کے ظالم:

آج سے چودہ سو سال پہلے آپ ظالموں کے ظلم کی وجہ دیکھیں گے تو آپ کو جہالت نظر آئے گی، انسان کی شکلوں میں درندے نظر آئیں گے، انسانیت سے عاری، شراب کے عادی اور دوسرے گناہوں اور بدتمیزیوں میں ملوث لوگ نظر آئیں گے، قرآن کریم نے بھی ان کی اس بدتر حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا [سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳] ایک وقت تھا جب تم ایک

دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے پر تھے اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

اب آپ موجودہ دنیا کو دیکھیں، آج ہر چیز بدل چکی ہے، زمانہ تبدیل ہو چکا ہے، انسانیت میں بھی زبر دست تغیر آیا ہے، آج ظالم بھی بدل چکے ہیں مظلوم بھی، حاکم بھی بدل چکے ہیں محکوم بھی، اور ظلم و جبر کے طریقے بھی! آج کے جو ظالم ہیں، وہ کوئی ان پڑھ اور جاہل نہیں بلکہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ حضرات ہیں، جہالت کی بناء پر نہیں بلکہ ایک پلان اور منصوبہ بند طریقے سے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں، مگر ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ ان سے پہلے بھی اسلام کو دبانے اور نیست و نابود کرنے والے بہت سے کفار آئے، مگر اس مشن میں ایسے ناکام اور نامراد ہوئے کہ آج ان کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے، اور ان ظالموں کی اہم بات یہ بھی ہے کہ یہ اپنے آپ کو ایک مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کہتے ہیں، جو ایک صاف اور کھلا جھوٹ ہے، سچ تو یہ ہے کہ یہ اخلاق وانسانیت سے عاری ایک بد عمل قوم ہے، جو مادیت پرستی اور شرم و بے حیائی کی خوگر ہے، یہ کمزوروں کے خون کے پیاسے اور اصحاب ثروت کے تلوے چاٹنے والے لوگ ہیں، دن ورات عیش وعشرت میں مصروف اور ظلم و زیادتی کو شیوۂ زندگی بنا چکے ہیں، پہلی جنگ عظیم کے موقع پر جرمنی کا اپنے علاقوں کی آزادی کے لئے دس ملین سے زائد انسانوں کو ہلاک کرنا، دوسری جنگ عظیم کے موقع پر ایک کروڑ چھ لاکھ انسانوں کو قتل کر دینا اور اسی موقع پر امریکہ کا ہیروشیما اور ناگاسا کی کی پرامن آبادی پر ایٹم بم برسا کر دو لاکھ تیس ہزار انسانوں کو لقمۂ اجل بنا دینا، ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۵ء امریکہ ویتنام جنگ میں امریکہ کا تین ملین ویتنامیوں کا قتل تیس ہزار کو اپاہج اور چالیس ہزار کو ملک بدر کر دینا، ۲۰۰۳ء میں امریکہ کا اپنے اتحادیوں کے ساتھ عراق پر حملہ کر کے چھ لاکھ پچپن ہزار عراقیوں کو قتل، تقریباً ساڑھے چار ملین کو بے گھر، دو ملین خواتین کو بیوہ، پانچ ملین بچوں کو یتیم اور تین ملین تین لاکھ عراقیوں کو ملک بدر کرنا، یہ اس تہذیب یافتہ و تعلیم یافتہ قوم کے کارنامے ہیں جو ان کی باطنی درندگی، جہالت، ظلم و جبر اور سفاکیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح آپ آج سے چودہ سو سال پہلے کے مظلومین پر نظر دوڑائیں تو ان کی سیرت کے اندر آپ کو صبر و استقلال، عبادت و ریاضت، اسلامی احکامات و تعلیمات کا اعلیٰ نمونہ اور اسلام کے لئے مر مٹنے کا ایک ایسا جذبہ نظر آئے گا جو گویا صرف ان صفات قدسیہ ہی کے لئے معرض وجود میں آیا تھا، اور آپ آج کے مظلوموں کو دیکھئے تو ان کے اندر یہ تمام خصوصیات ناپید اور دھیرے دھیرے ختم ہوتی ہوئی نظر آئیں گی، وہ آج اپنے

دین اور سنت رسول ﷺ کو ختم کر کے ان مغربی درندوں کے عادات واطوار سے متاثر اورانھیں کے رنگ میں ڈھلتے جارہے ہیں اوراس میں اس قدر تیزی کا مظاہرہ کررہے ہیں کہ تمام شعائر اسلام کو بالائے طاق رکھ کراپنے جسم وجثہ،عادات واطوار،لباس وپوشاک،رفتاروگفتارہر چیز میں انہیں کے مشابہ بننے کی کوشش اوردھن میں اپنی زندگی گزاررہے ہیں،خصوصاً نئی نسل اس سے بے حد متاثر اوراس کا نمونہ بنتی جارہی ہے،اس کو قرآن پاک کی آیات مبارکہ کی تلاوت،اللہ رب العزت کی تذکیر وعبادت سے کوئی تعلق اورواسطہ نہیں ہے،مسجدوں سے آنے والی اذان کی صداؤں،خانقاہوں سے آنے والی اللہ اللہ کی ضربوں اور مدارس ومکاتب میں پڑھائی جانی والی دینی تعلیم سے وہ بالکل نا آشنا ہیں،انہیں تو موبائل میں سانگ،گانے اور فلمیں،مغربی اور یورپی نصاب والے ادارے ہی بھاتے ہیں،جس کے نتیجے میں آج اللہ تعالیٰ نے ہم پر کافروں کو ہی مسلط کردیااورانہیں کے ذریعہ ہم پر ظلم وعذاب کونافذ کردیا،جس کوشاعر نے ان الفاظ میں بیان کیاہے:

کفار مسلط ہم پہ ہوئے اسلام سے جب ہم دور ہوئے
جب دین رہا اب ہم میں نہیں دنیا میں تو ہم کمزور ہوئے

ان تمام باتوں کے بعد ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ حالات کیسے بدلیں؟ یہ کیفیت کیسے تبدیل کی جائے؟ کیسے ایک انقلاب برپا کیا جائے؟اس کے لئے زیادہ جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں،زیادہ بے چین اور گھبرانے کی ضرورت نہیں،علماء اور قائدین امت کو برابھلا کہنے کی ضرورت نہیں ، بلکہ وَاَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ :اللہ کا حکم مانو اور رسول کے فرماں بردار بنو، پر عمل کیجئے اور وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ :اوراگرتم سچے مومن بن کے رہو گے توتم ہی سربلند رہو گے، کے وعدۂ خداوندی کوآپ خوداپنی آنکھوں سے دیکھیں گے،سیرت نبوی ﷺ کا گہرائی کے ساتھ عبرت وعمل کے ارادے سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، کہ کیسے حالات آپ ﷺ پر آئے؟ آپ ﷺ کے اصحاب کوکن کن مظالم کوسہنا پڑا؟ وہ کس طرح کن اعمال کی بدولت ان مظالم سے آزاد ہوئے؟انہوں نے اتنے سارے مظالم کے باوجود اس دین کو بچانے کے لئے کیا کیا قربانیاں دیں؟ان کی ان مظلومیت اور قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتنی عزت وشہرت ، طاقت وقوت انہیں عطا کی؟ اِن اور اِن جیسے سوالات کے جوابات آپ کو کتب سیرت میں مل جائیں گے۔

بہر حال! ہمیں اپنے ملک اور دنیا کے حالات کو بدلنے کے لئے اپنے نبی کی سنتوں کو زندہ و تابندہ کرنا ہوگا، اپنے چہروں کو ڈاڑھیوں سے منور کرنا ہوگا، اپنی رفتار و گفتار، اعمال و سکنات اور صوم و صلوۃ کو نبی ﷺ کے اسوہ کے مطابق ڈھالنا ہوگا، اگر یہ چیزیں ہمارے اندر پیدا ہوگئیں، اور ہم آقائے دو جہاں، تاجدار مدینہ ﷺ کے سچے عاشق اور ان کی سنتوں کے تابع ہوگئے، ہمارا جسم، ظاہر و باطن سب ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دینے لگیں، معاملات و اخلاق ہوں یا عبادت و ریاضت سب میں ہم ممتاز ہوگئے، جس دن ہم میں یہ خصوصیات و امتیازات پیدا ہوگئے، اس دن ہمارے اوپر سے یہ ظلم و جبر کے پہاڑ فوراً ہٹ جائیں گے، مسلمانوں کے خلاف چلنے والی یہ زبانیں گنگ ہوجائیں گی، مسلمانوں کے خلاف چلنے والے یہ قلم ساقط ہوجائیں گے، اور پوری دنیا میں امن و امان کی بادِ بہاری چلنے لگے گی، شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ؎

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی، اِس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی رہ اب بھی ہے کھلی، آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

اللہ و رسول سے سچی محبت کا تقاضا

عبدالرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے آپ نے فرمایا تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت! ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ و رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ و رسول اس سے محبت کریں تو اس کو چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے، اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنی خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(بیہقی فی شعب الایمان ۲/۲۰۱)

یادِ رفتہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف و خدمات

محمد حماد کریمی ندوی □ نزیل مکہ مکرمہ، مقیم مسقط عمان □

پیدائش و خاندانی پس منظر

آپ کی پیدائش ۷ ۱۳۴ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تکیہ کلاں رائے بریلی، اتر پردیش میں ہندوستان کے معزز سادات کے گھرانے میں ہوئی، یہ وہ گھرانہ ہے جس کو حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی داستانِ عزیمت وراثت میں ملی ہے، جو آج بھی اپنی زبان، اپنے نسب، اپنے عقیدہ نیز سادات ہاشمی کی تمام خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، جس کے بارے میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ ’’اگر یہ خانوادہ اور تحریک سید احمد شہید نہ ہوتی تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے‘‘۔

خاندان کی ان صالح اور قابل قدر روایات نے آپ کی شخصیت، ذہنیت اور صلاحیت کے بنانے میں بہت ہی موثر کردار ادا کیا، بالخصوص آپ نے صدی کی عظیم شخصیت، شیخ العرب والعجم، آفتابِ علم وعرفاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی نگہداشت اور سرپرستی میں علم وصلاح کی انتہائی بلند و بالا اور قابل رشک منازل طے کیں، آپ کی علمیت میں خاندانی شرافت، اودھ کی تہذیبی حلاوت، تاریخ وادب کی حرارت اور ندوہ کی صدا ’’جدید نافع اور قدیم صالح‘‘ کا ایسا زبردست اثر رہا کہ آپ عام سطح سے بہت بلند ہوگئے۔

تعلیمی مراحل

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی مکتب رائے بریلی میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیمی سلسلہ رہا، اور وہیں سے ۱۹۴۸ء میں سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد ایک سال دارالعلوم دیوبند میں گذارا، وہاں فقہ، تفسیر، حدیث اور بعض فنون کی ایک ایک کتاب پڑھی، تعلیم کے سلسلہ میں چند روز مظاہر علوم سہارنپور میں بھی رہنا ہوا، اعلیٰ تعلیم کے لئے حجاز کا بھی سفر کیا۔

تزکیہ وتربیت

آپ کی نیک بختی اور کامرانی یہ بھی ہے کہ آپ کو وقت کے عظیم اساتذہ اور کبار علماء سے استفادہ کا شرف بھی حاصل ہوا، جن میں نمایاں ترین حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ اور حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کے نام نامی ہیں، مگر خاص فیض آپ کو اپنے خالِ معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت و صحبت سے حاصل ہوا، جس کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ فرماتے ہیں:

مولانا رابع حسنی ندوی نے مولاناؒ کے نظریۂ تعلیم کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے، وہ خود ایسی آنکھ بن گئے ہیں جس سے مولانا دیکھا کرتے تھے۔

استاذِ محترم جناب مولانا الیاس صاحب ندوی بھٹکلی نے ایک مرتبہ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ہر کام میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے مشورہ لیا کرتے تھے، یہاں تک کے ندوہ میں حضرت مولانا کا جملہ ”رابع سے پوچھو ایک اصطلاح بن گئی تھی“۔

تدریسی وانتظامی خدمات

اس سلسلہ میں آپ کے برادر مکرم جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی فرماتے ہیں:

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی چونکہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے سب سے زیادہ قریب رہے ہیں اور ان کے اسفار میں شریک رہے ہیں، جن میں اہم شخصیتوں اور حکمرانوں سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کا بھی کثرت سے موقع ملا، اس لئے مولانا کو حقیقت حال اور مسائل کی نزاکت سے واقفیت کا جو موقع ملا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک سال گذارنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں آپ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ ادبِ عربی میں بحیثیت معاون استاذ تقرر ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں ندوہ کے ادیب دوم مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں صدر شعبۂ ادبِ عربی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ (دارالعلوم ندوۃ العلماء) مقرر ہوئے۔ ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا منصب اہتمام آپ کے سپرد ہوا۔ ۱۹۹۸ء میں نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ کی خرابی صحت کی وجہ سے منصب اہتمام کے ساتھ بحیثیت معاون نائب ناظم کے بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ اخیر

میں ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے انتقال کے بعد جنوری ۲۰۰۰ء میں ندوۃ العلماء کی نظامت کا عہدۂ جلیلہ آپ کو تفویض ہوا، جس کو آپ بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے، آپ کے خلوص کی وجہ سے ندوہ نہایت ہی تیزی، بہت ہی خوبصورتی اور بڑی کامیابی کے ساتھ شاہراہِ ترقی کی طرف رواں دواں رہا۔

اہم اور قابل شکر وشرف بات یہ ہے کہ حضرت اقدس مولانا علی میاںؒ جیسی عالمگیر عظمت وشہرت اور مقبولیت ومحبوبیت کی حامل شخصیت کے تمام اہم کام و پیام کو لے کر آپ بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے، اس تمام عرصے میں آپ بحیثیت مدرس تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

ملی وسماجی خدمات

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک مدرس کی کل کائنات اور اس کی کوششوں کا کل مرکز مدرسہ کی چہار دیواری ہوتی ہے، اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو بیک وقت تدریسی خدمات کے ساتھ ملی وسماجی خدمات میں بھی نمایاں ہوں، حضرت مولانا اس سلسلہ میں ایک امتیازی شخصیت کے حامل رہے کہ ایک عالمی ادارہ کی تدریسی وانتظامی خدمات کے ساتھ ساتھ اس سے بھی وسیع پیمانے پر ہندوستانی مسلمانوں کے متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذریعہ ملی وسماجی خدمات انجام دیتے رہے، جو ہندستان میں تمام مسلمانون کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔

۲۰۰۳ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تیسرے صدر قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے وجود سے جب ملت اسلامیہ محروم ہوگئی، تو بیک وقت پورے ہندوستان کی نگاہیں آپ پر آ کر ٹِک گئیں، اور یہ حسن اتفاق ہے کہ آپ اپنے نام کی مناسبت سے بورڈ کے چوتھے صدر منتخب ہوئے، آپ کو خداوند قدوس نے جو اعلیٰ علمی فکری اور انتظامی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، کسی دوسری جگہ ان کا وجود خال خال ہی نظر آتا ہے۔

ہندستان بلکہ عالم اسلام کے مشہور ومعروف فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

> مجھے مولانا کا جو وصف سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ ان کے اندر پایا جانے والا سمندر کا سا سکوت، زمین کا سا بچھاؤ اور جھکاؤ ہے، اس وقت ملت اسلامیہ جن مسائل سے دو چار ہے، ان کے حل کے لئے ایسی ہی قیادت مطلوب ہے، جو حضرت عثمان غنیؓ کی زبان میں قوال سے زیادہ فعال ہو اور جوش سے زیادہ ہوش سے کام لیتی ہو۔

تصوف وسلوک میں آپ کی خدمات

مولانا کو بہت سے بزرگوں کے علاوہ خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت وارشاد کے سلسلے (قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ) کی اجازت وخلافت حاصل تھی، مولانا ہر وقت لوگوں کی اصلاح وفکر میں لگے رہتے تھے، خاص طور پر طلبہ کی اصلاح کے حد درجہ فکر مند رہتے تھے، اس سلسلے میں جب بھی ندوہ میں قیام ہوتا تھا تو بعد نماز عشاء مجلس لگتی تھی، جس میں اساتذہ وطلباء حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اس کے علاوہ سال میں ایک دو بار عمومی خطاب بھی طلبہ کے لئے ہوتا تھا، اس میں بھی اصلاحی باتیں ہوتی تھیں، نیز رمضان کا پورا مہینہ اسی اصلاح کے لئے وقف ہوتا تھا، آپ رمضان کا پورا مہینہ اپنے وطن رائے بریلی میں گزارتے تھے، نیز آخری عشرہ کا اعتکاف بھی کرتے تھے، مسجد میں ہر طبقہ کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد حاضر ہوتی تھی، اور پورا مہینہ افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور آخری عشرے میں یہ تعداد کبھی ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔

ادبی خدمات

مولانا بیک وقت اردو وعربی دونوں زبانوں کے ادیب تسلیم کئے گئے، موجودہ زمانے میں جبکہ ادب برائے نام ادب رہ گیا ہے، اور جو کسر باقی تھی مادیت نے اس کی بھی روح نکال کر رکھ دی ہے، اس وقت ایک ایسے ادب کی ضرورت ہے جو مادیت کے اثرات سے خالی اور ادب کے اعلیٰ معیار سے متصف ہو، مولانا کی تحریریں وتقریریں ادب کے سرمایہ میں ایک قیمتی اضافہ تھیں، خاص طور پر مولانا نے اپنی کتاب ''منثورات'' کے ذریعہ ثانوی درجات کے طلبہ کے لئے ایک بیش بہا مواد جمع کر دیا ہے، اس میں مولانا نے ان زندہ اور حسین اقتباسات کا انتخاب کیا، جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کے ساتھ، دینی واخلاقی تربیت کا کام بھی انجام دیتے ہیں، اس میں نثر قدیم کے ساتھ نظم قدیم کے نمونے بھی شامل ہیں، جو طلباء میں عربی ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لئے معاون ومددگار ہیں، نیز معلم الانشاء (تیسرا حصہ) کے ذریعہ طلباء کی ادب عربی کی طرف پیش رفت کرنے اور مختار الشعر (دو حصے) کے ذریعے طلباء وعربی داں حضرات میں عربی اشعار کا ذوق پیدا کرنے کی قابل مبارکباد کوشش کی ہے۔

صحافتی خدمات

موجودہ زمانے میں صحافت کی اہمیت وافادیت سے کون صاحب بصیرت انکار کرسکتا ہے، مولانا

نے عصر حاضر کے اسی تقاضے کے پیش نظر ایک پندرہ روزہ عربی صحیفہ ''الرائد'' جاری کیا، جو ۱۹۵۹ء سے آج تک مسلسل شائع ہورہا ہے، اب تک مولانا ہی اس کی سرپرستی فرمارہے تھے، جس میں مولانا کے قیمتی ووقیع مضامین بھی شائع ہوتے رہتے تھے، اوراب تک ہزاروں مضامین شائع ہو چکے ہیں، جس میں زمانے کی نبض شناسی اور امت کے موجودہ مسائل اوران کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ رسالہ تعمیر حیات کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے، اس میں بھی مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے، نیز مولانا کے اسفار کی روداد اور تقاریر کا خلاصہ بھی اس میں شائع ہوتا تھا، تعمیر حیات میں شائع شدہ مولانا کے مضامین کا ایک مجموعہ ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام'' لکھنؤ سے بعنوان ''عالم اسلام اورسامراجی نظام'' مرتب ہوکر شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اردو کے پرچوں سہ ماہی ''تعمیرِ افکار'' ماہانہ ''پیام عرفات'' رائے بریلی، ماہنامہ ''ندائے حرم'' احمد آباد گجرات، ندوہ سے شائع ہونے والے انگریزی کے سہ ماہی مجلہ ''دی فریگرینس آف ایسٹ اور ہندی ماہنامہ ''سچا راہی'' کے سرپرست بھی تھے۔ لکھنؤ سے شائع ہونے والے اخبار ''کاروانِ ادب'' کے بھی آپ ہی ایڈیٹر تھے، اور ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کی مجلس ادارت کی رکنیت بھی آپ کو حاصل تھی۔ یہ آپ کی صحافتی خدمات کی ایک جھلک ہے، اس سلسلہ میں مولانا نے جو قربانیاں دی ہیں اس کی تفصیل کے لئے مستقل ایک مضمون درکار ہے۔

تصنیفی خدمات

مولانا تصنیفی دنیا میں بھی اپنی مثال آپ تھے، مولانا کی تصنیفات کا مطالعہ متنوع سمتوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، مولانا نے بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں سیرت، تاریخ، ادب، جغرافیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، مولانا کی تحریریں آسان اسلوب اور شستگی و شگفتگی کا مرقع ہوتی ہیں، مولانا کا مخصوص طرز تحریر ہے جو دل ودماغ دونوں کی راحت کا باعث ہوتا ہے، اسلوب بالکل عام فہم، نفسِ مضمون سنجیدہ اور علمی بیان سادہ ہوتا ہے۔ مولانا کی تصانیف میں سیرت کے موضوع پر معرکۃ الآراء تصنیف ''رہبر انسانیت'' ہے، جو کئی زبانوں میں منتقل ہوکر منظر عام پر آچکی ہے، سیرت کے موضوع پر آپ کی دوسری تصنیف ''نقوش سیرت '' ہے۔ جغرافیہ کے موضوع پر مشہور ومعروف کتاب ''جزیرۃ العرب'' ہے، جس میں عربوں کی ثقافتی، حربی، معاشرتی، سماجی زندگی، زبان عربی اور جزیرۃ العرب کے جغرافیہ پر جامعیت کے ساتھ گفتگو کی گئی، مولانا کی

تصانیف کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے، جن میں اردو و عربی کی تعداد تقریباً نصف نصف ہے۔

مولانا کی امتیازی خصوصیت

باوجود اس کے کہ مولانا مختلف علمی و تصنیفی میدان میں دسترس رکھتے تھے، اور کسی ایک چیز کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کا اصل موضوع ہے، لیکن مولانا کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا عربی کے ادیب و نقاد تھے، اس کی سب سے بڑی دلیل مولانا کی کتاب ’’الأدب العربی بین عرض ونقد‘‘ ہے، اس میں مولانا نے مختصر اور جامع انداز میں ادب اور اس کی اقسام، نیز مختلف زبانوں میں ادب کی قسمیں و دیگر چیزوں کو واضح اور سہل انداز میں پیش کیا ہے، جو عربی زبان و ادب کے طلباء کے لئے گراں مایہ تحفہ ہے۔

اسفار

سفر ہر زمانہ میں افادہ و استفادہ کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے۔ پچھلے زمانہ میں جبکہ سفر کی موجودہ سہولیات معدوم تھیں، اس کے باوجود لوگ افادہ و استفادہ کے خاطر دور دراز کا سفر طے کرتے، مشقتیں برداشت کرتے، اس زمانہ میں سہولیات کی فراوانی کی بناء پر سفر زندگی کا جزء لاینفک بن کر رہ گیا ہے، اور مقاصد کی براری کا ایک مفید و مؤثر ذریعہ بھی ہے، مولانا نے اندرون ملک و بیرون ملک بہت سے علاقوں کے اسفار کئے، بیرونی ممالک میں اکثر ممالک اسلامیہ عربیہ، نیز بلاد یورپ و امریکہ، مشرق بعید جاپان، ملیشیا، افریقہ میں مراکش، مصر، تیونس، الجزائر، جنوبی افریقہ، پاکستان، بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات وغیرہ شامل ہیں، وہاں کی علمی و ادبی کانفرسوں میں شرکت کی اور مقالے پیش کئے۔

عہدے و مناصب

۱—ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۲—صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ۔ ۳—نائب صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی۔ ۴—صدر مجلس تحقیقات و نشریات، لکھنؤ۔ ۵—صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، لکھنؤ۔ ۶—صدر دار عرفات، رائے بریلی۔ ۷—رکن تاسیسی رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ۔ ۸—رکن دار المصنفین اعظم گڑھ۔ ۹—ٹرسٹی آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی، برطانیہ۔ ۱۰—سرپرست مولانا محمد ثانی حسنی میموریل سوسائٹی، رائے بریلی۔ ۱۱—صدر مولانا عبدالباری سوسائٹی، لکھنؤ۔ ۱۲—رکن مولانا ابوالکلام آزاد اکیڈمی، لکھنؤ۔ ۱۳—سرپرست تحریک پیام انسانیت۔ ۱۴—سرپرست مولانا ابوالحسن علی

ندوی اکیڈمی، بھٹکل، کرناٹک۔ ۱۵–سرپرست جامعہ اسلامیہ بھٹکل، کاروار، کرناٹک۔

مولانا اور ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء سے مولانا کا تعلق خاندانی بھی تھا اور ذاتی بھی، خاندانی اس طور پر کہ روزِاول سے مولانا کے خاندان کے افراد اس تحریک سے وابستہ رہے اور اس کے اہم مناصب پر فائز رہ کر اس کے لئے قربانیاں دیں، اور ذاتی اس طور پر کہ مولانا نے یہیں تعلیم حاصل کی، ابتدائے وقت سے اب تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، نیز مختلف حیثیتوں سے اس کی انتظامیہ میں شریک رہے، اور بحیثیت ناظم پوری ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی صاحب (جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل، یوپی) لکھتے ہیں:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شناخت محض ایک تعلیمی ادارہ کی نہیں ہے، اور خدا نہ کرے کہ مستقبل میں اس کی یہ پہچان بنے، اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اس وقت مدارس کے درمیان گل سرسبد ہے، وہ ایک تحریک اور فکری مرکز ہے، اس کے قیام کے ابتدائی تصور میں بھی یہ بات شامل تھی، اور الحمدللہ صدیوں کی علمی مسافت طے کرنے کے بعد آج بھی وہ اسی صراطِ مستقیم پر گامزن ہے، علم کا ایک مخصوص چشمۂ فیض ہے جو دل ونگاہ ونفس کی آبیاری کا فریضہ انجام دے رہا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شخصیت، ان کے مزاج اور طرزِ عمل، ان کی علمی عظمت اور ملک وملت کے تعلق سے بین الاقوامی سطح پر ان کی فکری بلندی نے ندوہ کی تحریک وامتیاز میں چار چاند لگائے اور یہ ادارہ اپنی مقبولیت کے اعتبار سے برصغیر کی فضاؤں سے نکل کر عالمی سطح پر عرب وعجم کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اس کی فکری وراثت کے امین اور ایک جہاندیدہ، مخلص، صاحبِ بصیرت محافظ کی حیثیت سے علمی اور دینی حلقوں میں محبوب ومقبول تھے، مولانا علی میاںؒ کی شخصیت کا ایک خوبصورت عکس جمیل، ان کے فکری توازن، تواضع اور انکسار ومحبت، رواداری اور مروت، طرزِ گفتگو کا دلنشیں انداز واظہار اس بات کی علامت تھا کہ وہ مولانا علی میاںؒ اور ندوۃ العلماء کی تحریک ودعوت دونوں کے بہترین ترجمان اور اس پورے اثاثے کے ذمہ دار ونگہبان تھے''۔ (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی: ایک عہد ساز شخصیت)

وفات

بروز جمعرات بتاریخ 21/رمضان المبارک 1444ھ مطابق 13/اپریل 2023ء

لمحہ فکریہ

موجودہ دور میں اُمّت مسلمہ کی ذمہ داری

مولانا محمد یوسف

اُمّت مسلمہ کی فکر انگیز اور دردناک حالت، ہر سمجھ دار اور دین اسلام کی غیرت اور حمیت سے سرشار درددل رکھنے والے انسان کے لیے سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ ایک طرف ناکامیاں ہیں، ذلت وپستی، بے چارگی ولاچارگی کی صورت حال ہے تو دوسری طرف دور دور تک روشن مستقبل کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، موجودہ حالات میں اگر ہم انفرادی واجتماعی طور پر اپنا احتساب کریں تو اس مایوس کن صورت حال کے جہاں اورعوامل سامنے آئیں گے وہیں ہمیں یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے ناقابل معافی حد تک کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ اُمت مسلمہ کی ناکامیوں اور موجودہ آلام ومصائب میں اس ذمہ داری سے غفلت کا بھی بڑا دخل ہے، قرآن کریم کی آیات اور بے شمار احادیث مبارکہ اس بات کا برملا اعلان کرتی ہیں کہ اس اُمت کو خیر الامم (تمام اُمتوں میں سب سے بہتر اُمت) کا خطاب ملنے میں اچھائی کا پرچار کرنے اور برائیوں سے روکنے کی ذمہ داری کا بڑا دخل ہے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی اشاعت اور معاشرے وملک میں پھیلی ہوئی اخلاقی وروحانی برائیوں کا سد باب اُمت محمدیہ کا اہم فریضہ ہے۔ نمونہ کے طور پر چند احادیث پیش خدمت ہیں:

> حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اچھائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو، ورنہ عنقریب اللہ جل شانہ تم پر بہت سخت عذاب بھیجیں گے، پھر تم دعائیں کروگے تو وہ بھی قبول نہیں ہوں گی۔ (ترمذی شریف)
>
> حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں بستی کو اس کی آبادی سمیت الٹ دو تو انہوں نے فرمایا کہ پروردگار! ان میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے پل بھر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ پروردگار عالم نے فرمایا: اس کو اٹھا کر پٹخ دو، کیوں کہ اس کے چہرے پر میری (نافرمانی کی) وجہ سے کبھی بھی غصہ اور ناگواری کا اثر نہیں آیا۔

ترک تبلیغ کا نتیجہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اچھائیوں کی تلقین اور برائیوں سے منع کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا ظالم حاکم مسلط کردیں گے جو نہ کسی بڑے کی تعظیم کا خیال رکھے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کھائے گا اور تمہارے نیک لوگ دعائیں بھی کریں گے تو قبول نہیں ہوں گی اور مدد مانگیں گے تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

مندرجہ بالا احادیث سے اس فریضہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے اور یہ کہ دوسروں کو گناہوں سے روکنا اور اچھائیوں کا حکم کرنا ایمان کا لازمی جزہے۔

اہل بصیرت اور عاقبت اندیش لوگ ہمیشہ سے یہ پیش گوئی کرتے چلے آئے ہیں اور کر رہے ہیں کہ اُمت محمدیہ جب بھی اس فریضہ سے غفلت اختیار کرے گی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا کردی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہوجائے گی اور یہ سب کچھ اپنے فرض منصبی کو نہ پہچاننے، اس کی قدر نہ کرنے اور جس کام کی انجام دہی اس کی ذمہ داری تھی، اس سے غفلت برتنے کی بنا پر ہوگا اور یہی صورت حال آج درپیش ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے پانچ اصول

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس ذمہ داری کو جس قدر شرعی ہدایات کی روشنی میں حکمت وتدبر اور منظم طریقے پر نبھایا جائے گا اسی قدر اس کار خیر کے مثبت اور دوررس اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کام کے لیے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے:

صحیح علم ہو (جاہل اور دین سے ناواقف شخص اس کام کا اہل نہیں)۔

مقصد اللہ جل شانہ کی رضا اور دین کی برتری ہو (بری نیت ساری محنت پر پانی پھیر دیتی ہے)۔

نرمی اور محبت کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرے، سخت اور تندخو نہ بنے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف دعوت دین کے لیے بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔

اس عمل کے نتیجے میں دوسروں سے تکلیف پہنچے تو صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے، انتقام اور بدلہ لینے

پر نہ تل جائے ، حضرت لقمان علیہ السلام اپنے صاحب زادے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"بھلی باتوں کا حکم کرو، برائی سے سے روکو اور جو حالات آئیں ان پر صبر کرو۔" (سورہ لقمان)

جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرے خود بھی اس پر عمل کرے تا کہ لوگ اس شخص کو خود عمل نہ کرنے کا عار نہ دلائیں۔ ارشاد خداوندی ہے : "کیا تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟"

علماء کی خصوصی ذمہ داری

علوم دینیہ کے حاملین پر یقینا یہ ذمہ داری دیگر لوگوں کی نسبت بہت زیادہ ہے، یقینا یہ حضرات اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ابتداء اپنے گھرانے اور اس کے بعد اپنے معاشرے اور ماحول میں پھیلی ہوئی خرابیوں اور فواحش ومنکرات کا بغور جائزہ لیں اور اس کے بعد کوئی عملی قدم اٹھائیں، گناہوں پر روک ٹوک اور ابتدائی دینی باتوں سے اپنے حلقہ اور ارد گرد کے لوگوں کو باخبر کرتے رہنا، ان حضرات کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ موجودہ زمانے میں خصوصاً عمومی اصلاح وتبلیغ، عوام الناس کی دینی ذہن سازی اور ملک ومعاشرے میں کھلے عام اللہ جل شانہ کی نافرمانی پر آواز اٹھانا اور حتی المقدور لوگوں کو بے دینی وبے حیائی کے کاموں سے روکنے کی مہم میں حصہ لینا قابل احترام علمائے کرام کے لیے فرض کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے اپنے علمی مشاغل کے ساتھ اس سلسلے کو جوڑنا ان حضرات کے لیے بے حد ضروری ہے کہ دین کی بقا اور اس کے احیا کی یہ اہم ترین صورت ہے۔ حق تعالیٰ علمائے بنی اسرائیل سے شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اہل علم اور نیک لوگوں کو چاہیے تھا کہ عوام کو گناہ کی باتوں اور حرام کھانے (اور دیگر بُرے کاموں) سے روکتے ، انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ (ان کی یہ خاموشی بہت سنگین گناہ اور) ان کا یہ طرز عمل بہت ہی بُرا ہے۔" (المائدہ)

دور حاضر میں

موجودہ زمانے میں غلط نظریات کی اشاعت، دین میں تحریف اور لوگوں کے افکار، اعمال اور اخلاق کو خراب کرنے کے لیے جس منصوبہ بندی کے تحت اہل باطل کی طرف سے کام ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ کہیں دین کا نشو ونما نہ رک جائے اور دین کے بنیادی نظریات وتعلیمات، اس کے نام لیواؤں کے لیے ایک انوکھی چیز نہ بن جائیں۔ یہ محض اللہ جل جلالہ کا فضل ہے کہ

اب بھی دین کے مختلف شعبوں پر کام ہو رہا ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرے میں بگاڑ اور خرابی میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

اس لیے قوم میں عمومی بیداری پیدا کرنا ضروری ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام الناس اور خصوصاً مغربی معاشرے سے متاثر طبقے میں خاص منصوبہ بندی اور منظم انداز میں اس کام کو اٹھایا جائے اور ان کے نظریات، اخلاق و اعمال کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جائے۔

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

تسبیح کون سے ہاتھ سے شمار کریں

تسبیح اور اوراد واذکار کا دائیں بائیں دونوں ہاتھ پر پڑھنا درست ہے، اس کے دلائل اجمالاً یہ ہیں۔

(الف) عام روایات میں دائیں بائیں کی تخصیص کے بغیر مطلق ہاتھ پر تسبیح پڑھنے کا ذکر وارد ہے، صرف ایک روایت میں ''بیمینہ'' کی تخصیص ہے جو محمد بن قدامہؒ سے مروی ہے، اس لحاظ سے ازروئے اصول حدیث یہ روایت شاذ ہوئی اور شاذ روایات مرجوح شمار ہوتی ہیں، لہٰذا اس بنیاد پر دائیں ہاتھ کی تخصیص مرجوح قرار پائے گی۔

(ب) روایات میں انامل واصبع پر تسبیح پڑھنے کی حکمت ومصلحت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بروز قیامت تسبیح پڑھنے والے کے لئے گواہ بنیں۔

(ج) حضرات فقہاء کے کلام وعبارات سے بھی دونوں ہاتھوں پر تسبیح کا جواز ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ فقہاء کے درمیان یہ بحث تو ہوئی ہے کہ نماز میں انگلیوں سے آیات وتسبیحات کا شمار کرنا کیسا ہے؟ امام صاحب اس سے منع فرماتے ہیں اور صاحبین اس کی اجازت دیتے ہیں، پھر یہ اختلاف نماز میں شمار کرنے کے بارے میں ہے، خارج نماز انگلیوں پر شمار کرنا بالاتفاق جائز ہے، نیز نماز کے اندر بھی اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ انگلیوں کو موڑ کر شمار کیا جائے، وہیں کے وہیں انگلیاں دبا کر تسبیحا تو آیات کا شمار بھی بالاتفاق درست ہے (ملاحظہ ہو درمع الرد ۱/۶۴۳، تبیین الحقائق ۱/۱۶۶، بحر الرائق ۲/۳۱)

اس ساری تفصیل میں دائیں بائیں کی کوئی تخصیص فقہاء کرام نے نہیں فرمائی ہے جس ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں علی الاطلاق دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا جائز ہے۔

(د) اپنے تمام معروف اکابر و مشائخ کا معمول بھی دونوں ہاتھوں پر پڑھنے کا رہا ہے، کبھی کسی نے بائیں ہاتھ پر پڑھنے کے بارے میں کوئی نکیر نہیں فرمائی، جس کا مطلب ہے کہ وہ بھی دونوں ہاتھ پر تسبیح پڑھنے کو روا سمجھتے تھے، لہٰذا دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا جائز اور درست ہے۔

مسجد میں آل آؤٹ (مچھر بھگانے کی خوشبودار دوا) لگانے کا حکم

مچھروں کو بھگانے کے لئے آل آؤٹ میں جو سیال مادہ استعمال ہوتا ہے اس میں برائے نام بو ہوتی ہے اور وہ ناگوار بھی نہیں ہوتی، اس لئے مسجد میں اس کے استعمال میں کچھ حرج نہیں ہے، قوله وأكل نحو ثوم أى بصل و نحوه لما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهى عن قربان أكل الثوم وابصل المسجد.......... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة ما كو لاً أو غيره (شامی نعمانیہ ۱/۴۴۴)

مردوں کے لئے بالوں کی چوٹی باندھنے یا ہیئر بینڈ ڈ لگانے کا حکم

ازروئے شرع مردوں کو کاندھے تک لمبے بال رکھنے کی اجازت ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم لمبے بال رکھتے تھے، جس کی تفصیلات شمائل کی کتابوں میں مذکور ہیں، البتہ ان کی چوٹی باندھنے یا ان کو سنبھالنے کے لئے ان میں ہیئر بینڈ ڈ لگانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بالوں کی چوٹی باندھنا یا ان پر ربر لگانا یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور احادیث میں مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال (بخاری ۵۸۸۵)

دوکان کے آگے دوکان لگانے اور اس کا کرایہ وصول کرنے کا حکم

بازاروں میں بہت سے دوکاندار اپنی دکان کے آگے (فٹ پاتھ پر) دوکان لگانے کی اجازت دے کر اس کا کرایہ وصول کرتے ہیں، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اولاً اپنی دوکان سے باہر دوکان لگانا یا لگوانا جائز نہیں، کیونکہ اس سے لوگوں کے گزرنے میں دشواری ہوتی ہے، ازدحام بڑھتا ہے، اسی وجہ سے

سرکار کی جانب سے بھی اس کے خلاف مہم جاری رہتی ہے، نیز چونکہ وہ جگہ دوکاندار کی اپنی مِلک نہیں ہوتی ہے اس لئے دوکاندار کو اس کا کرایہ وصول کرنے کا استحقاق بھی نہیں ہے، اگر وصول کرتا ہے تو وہ ناجائز آمدنی شمار ہوگی۔ **لایجوز لأحد أن یتصرف في مِلک غیره بلا إذنه، لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي** (درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام، مادہ:۹۷-۹۶)

قبل از وقت ادائیگی کی صورت میں واجب الاداء رقم کا کچھ حصہ ساقط کرنے کا حکم

بازار میں ادھار معاملات میں یہ رواج ہے کہ مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کی صورت میں وصول کنندہ واجب الاداء رقم کا کچھ حصہ ساقط کر دیتا ہے اور اس مقررہ مدت پر ادائیگی کی صورت میں پوری رقم وصول کرتا ہے اور اس کے بعد ادائیگی کی صورت میں اضافہ کے ساتھ وصول کرتا ہے، ازروئے شرع اس معاملہ کا حکم یہ ہے کہ اولاً تو اس طرح کوئی ایک حتمی مدت طے کئے بغیر معاملہ کرنا جائز نہیں، ادھار معاملہ کے جواز کی شرط یہ ہے کہ ادائیگی کی کوئی ایک مدت طے کرلی جائے، دوسرے یہ کہ خرید و فروخت کے ادھار معاملہ میں مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کی صورت میں اگر واجب الاداء رقم کا کچھ حصہ ساقط کرنا مشروط ہو یا معروف ہو تو پھر یہ ساقط شدہ رقم ادائیگی کرنے والے کے لئے حلال نہیں ہوگی بلکہ سود شمار ہوگی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بحوث في قضایا فقهیه معاصره ۱/ ۲۵)

اللہ اور بندہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں بندے کے ساتھ ویسے ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا کسی مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر بندہ میری جانب ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ (بڑھتا ہوں) متوجہ ہوتا ہوں۔ وہ اگر میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

تعزیتی مکتوب

بروفات: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

از : حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی

امین عام مظاہر علوم سہارنپور

مکرمان ومحترمان بندہ مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ومولانا سید محمد جعفر حسنی زید مجدہما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے

حسنی خانوادہ کی ایک دل آویز، ذی علم اور ذی مرتبت شخصیت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے حادثۂ فاجعہ سے یقیناً عرب وعجم کی ایک خلق کثیر کو انتہائی غم ورنج ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی بیش از بیش مغفرت فرما کر ان کو اپنے آباء صالحین سے ملائے، ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، پس ماندگان کو صبر و سکون اور جمعیتِ قلب عطا فرمائے اور بڑوں کے اٹھنے کے بعد فطری طور جو فتنے اٹھتے ہیں ان سے آپ سب حضرات کی نیز ندوۃ العلماء اور اس کے مقاصد کی پوری پوری حفاظت فرمائے۔

حضرت موصوف مرحوم نے جس دیدہ وری اور بصیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انتظامی اور فکری لحاظ سے قیادت فرمائی اور جس قدر حزم احتیاط کے ساتھ پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے اہلِ اسلام کے دین وعقائد کا تحفظ کیا اور ان کے ملی تشخص کی جدو جہد فرمائی وہ ہر ایک کو نظر آنے والی حقیقت ہے۔

ہم جیسے عامی اشخاص کے لئے ندوۃ العلماء اور پرسنل لا بورڈ کی راہ سے ان سے مخلصانہ تعلقات تو تھے ہی، نیازمندانہ تعلقات بھی مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت مندی کے سبب ذہنی وقلبی طور پر ہمیشہ رہے۔

بہت کم لوگوں کو یہ تاریخی بات معلوم ہوگی کہ حضرت مولانا سید محمد رابع مرحوم نے جامعہ مظاہر علوم

میں علوم ظاہرہ کے حصول اور خانقاہ خلیلیہ میں مدارج باطنہ کی تربیت وتکمیل کے لئے بہت ساوقت سہارنپور میں مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں گزارا ہے،اس زمانہ میں حضرت شیخ ،مولانا مرحوم کو ''بھانجہ پاشاہ'' کہہ کرخطاب کرتے اور مولانا علی میاں کو بھی جب خطوط لکھتے تو یہ جملہ ضرور لکھا کرتے تھے ''آپ کے بھانجہ پاشاہ خیریت سے ہیں''۔

حضرت مولانا مرحوم سے اس احقر کی دیدوشنید آج سے چوّن (۵۴) سال قبل اس وقت شروع ہوئی تھی جب احقر نے ان کو کچھ مطالعاتی کتب کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا،مولانا مرحوم کا یہ جواب ۱۹/جنوری ۱۹۶۹ء ۲۹/شوال ۱۳۸۸ھ کا تحریر کردہ میری آپ بیتی ''حیاتِ مستعار'' جلداول میں شائع ہو چکا ہے۔

احقر کی گذشتہ دوسال سے تو لکھنؤ کے اسفار میں کمی آ گئی تھی لیکن اس سے قبل جب بھی جانا ہوتا ضرور حضرت مولانا مرحوم سے ملاقات اور سلام ودعا کے لئے ندوہ پہونچتا،اللہ تعالی جزائے خیر دے عزیزم مولانا مصباح الدین سلّمہ کو کہ وہ آخر تک رابطہ کا کام انجام دیتے رہے اور ان ہی کے توسط سے ٹیلی فون پر سلام و دعوات صالحہ کا تبادلہ ہوتا رہا۔

ابھی ڈیڑھ ماہ قبل دفعتاً حضرت مولانا کا فون اپنی خیریت بتلانے اور میری خیریت لینے کا پہونچا، جب اس احقر نے اپنے لئے دعائے صلاح وفلاح کی درخواست کی تو برجستہ فرمایا کہ آپ اس وقت حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کے نمائندے ہیں اس لئے آپ کے لئے دعا کرنا فرض سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالی حضرت مرحوم کے اس حسنِ ظن کو اس احقر کے حق میں قبول فرمائے اور مقبول بھی فرمائے۔

آپ حضرات اگرچہ تسلی وتشفی پر مشتمل خطوط اور تعزیتی دفود سے بالاتر ہیں لیکن اخلاقی فریضہ ہونے کی وجہ سے ضروری محسوس کرتے ہوئے یہ عمل بھی کیا جارہا ہے۔

ماہ رمضان کی وجہ سے حاضری تو نہیں ہوسکی تاہم ایصال ثواب،دعائے مغفرت اور دعائے خیر سے محرومی نہیں رہی،ان شاء اللہ تعالی بعد رمضان آنے کی نیت ہے۔

اللہ تعالی آپ حضرات کا حامی وناصر اور محافظ ہو اور جونئی ذمہ داریاں آپ کو سونپی گئی ہیں ان میں آپ کی پوری پوری غیبی مدد شامل حال ہو۔

چھوٹا منھ اور بڑی بات ہے،لیکن میرے پاس اس کہنے اور لکھنے کے سوا کچھ اور ہے بھی نہیں اس

لئے قلبی تعلق مجبور کرتا ہے کہ عرض کروں کہ جس قدر بھی آپ اپنے اکابر اور بڑوں کے نقش قدم پر مضبوطی کے ساتھ رہیں گے ان شاء اللہ تعالی فتنِ ظاہرہ و باطنہ سے اتنی ہی حفاظت رہے گی، خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سلامتیٔ طبع، میانہ روی اور حسنِ اعتدال اس لائق ہے کہ اسے حرزِ جان بنایا جائے۔

اس احقر نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اور حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسنؒ کو خوب دیکھا ہے کہ بڑے بڑے جھٹکے انھوں نے برداشت کر لئے لیکن اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹے، اور حضرت مولانا انعام الحسن کا یہ مقولہ تو بہت مشہور اور قابلِ اسوہ ہے کہ ''ہم تو لکیر کے فقیر ہیں، وہی کریں گے جو ہم نے اپنے بڑوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہے''۔

مزید برآں یہ کہ مدینہ منورہ کے دس سالہ طویل قیام میں اس احقر نے بارہا اس کا خود مشاہدہ کیا کہ علماء حجاز اور مصر و شام حضرت شیخ کے پاس جب اجازتِ حدیث لینے کے لئے آتے تو آپؒ ان کو قراءۃً وسماعۃً اجازت دینے کے بعد یہ جملہ ضرور ارشاد فرماتے کہ ''دیکھو بھائی اپنے اکابر کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھنا'' اور کبھی کبھی نام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ''دیکھو! حضرت گنگوہیؒ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرنا''

امید ہے کہ میری یہ معروضات بارِ خاطر نہیں ہونگی، حضرت حق جل مجدہ مجھے بھی ثبات قدمی اور صراط مستقیم عطا فرمائے۔

گھر میں سب کی خدمات میں سلام مسنون فرما دیں۔

یہ عریضہ مولانا عبداللہ خالد اور مولانا اسعد حقانی کے بدست خصوصی طور پر ارسال ہے۔ والسلام

بندہ محمد شاہد غفرلہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ/ ۱۷؍اپریل ۲۰۲۳ء

اخبارِ مظاہر

ترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مدرسہ کی مسجد میں اعتکاف

مظاہر علوم کی مسجد جس میں رمضان ۱۳۸۵ھ/ دسمبر ۱۹۶۵ء سے قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اعتکاف کرنا شروع کیا اور خانقاہ خلیلیہ کے تمام تر معمولات اسی مسجد میں ماہ رمضان میں انجام پانے لگے، یہ محمود سلسلہ تقریباً ساٹھ سال سے بغیر کسی انقطاع (صرف کرونا کے سال میں دشواریوں کی وجہ سے یہاں اعتکاف کا معمول باقی نہ رہ سکا) کے اب تک جاری ہے، امسال بھی ملک کے گوشہ گوشہ سے سیکڑوں لوگ ماہ مبارک کے اعتکاف کے لئے مظاہر علوم تشریف لائے، اور خانقاہ خلیلیہ کا پورا نظام حضرات اکابر (حضرت شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، پیر طریقت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ، مولانا سید محمد سلمانؒ) کے معمولات کے ساتھ خانقاہ کے جانشین مولانا سید محمد عثمان ابن مولانا سید محمد سلمان نے مظاہر علوم کے امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی نیز مظاہر علوم کے شیخ الحدیث اور ناظم مولانا سید محمد عاقل کی سرپرستی میں پورے کرائے، روزانہ کی مجلس وعظ میں مظاہر علوم کے صدر مفتی مولانا مفتی مقصود احمد، نائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح، معین مفتی مولانا مفتی بشیر احمد و دیگر اساتذہ عظام اور مہمانانِ کرام کے بیانات ترتیب کے مطابق پورے ماہ ہوتے رہے جس سے خلقِ خدا کو کافی فائدہ ہوا۔

عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں شہر و قرب و جوار کے لوگوں کا کافی مجمع تہجد، عبادت اور ذکر و اذکار کے لئے یہاں موجود رہا۔

حضرت شیخ کے زمانۂ حیات سے یہاں ایک عشرہ میں ایک کلام پاک تراویح میں معمول ہے، چنانچہ امسال بھی پورے ماہ تین کلام پاک تراویح میں حسبِ ترتیب مکمل ہوئے۔

مظاہر علوم کی وسیع و عریض مسجد نماز تراویح کی ادائیگی کرنے والوں سے بھری رہتی ہے، پورے ماہ اعتکاف کرنے والے مہمانوں کا اوسط دو سو کے قریب رہا۔

ماہِ شوال میں مدرسہ میں افتتاحی بیان و دعاء

حسبِ روایت مدرسہ میں ۷؍شوال کو افتتاحی بیان اور دعا ہوتی تھی لیکن امسال ۷؍شوال کو جمعہ کا دن تھا اس لئے یہ مجلس ۸؍شوال کو صبح آٹھ بجے منعقد ہوئی، جس میں مدرسہ کے جملہ حضرات اساتذہ وملازمین شریک ہوئے، افتتاحی خطاب مدرسہ کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی کا ہوا، جس میں انھوں نے بیان کیا کہ ’’مظاہر علوم کا امتیاز اور خصوصیت دوسرے مدارس سے دو چیزوں میں رہا ہے، ایک تو تعلیمی ماحول کے لئے انتظامیہ کا تیقظ اور دوسرے یہاں کے اساتذہ وملازمین کا تقویٰ‘‘، اس سلسلہ میں حضرت امین عام مدظلہ نے اکابر مظاہر علوم کے دلچسپ اور تاریخی واقعات بھی سنائے اور آخر میں یہ کہا کہ ’’مظاہر علوم کسی عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے انھیں امتیاز اور تشخص کی وجہ سے مظاہر علوم؛ مظاہر علوم ہے، آج ہم سب کو اکابر واسلاف کی انھیں روایات کی پاسداری کرتے ہوئے مظاہر علوم کے تمغۂ امتیاز کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے‘‘۔

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب نے تمام شرکاء مجلس کو مخاطب کرکے اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ہم سب کو اپنے اوقات کا تحفظ اور ان کا صحیح استعمال کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ ہمارے اوقات صحیح مصرف میں خرچ ہوکر ہمارے لئے نیکی اور سعادت کا ذریعہ بنیں اور اللہ کے حضور کسی قسم کی جواب دہی سے بچے رہیں۔

ناظم مدرسہ وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ نے اس افتتاح کے موقع سے مختصر خطاب کیا اور بڑی دلسوزی سے کہا کہ ’’اس وقت ہم سب کو اپنے اپنے امور مفوضہ کے استحضار کی سخت ضرورت ہے، ہم میں کا ہر ایک چاہے وہ مدرس ہو یا ملازم، اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ من جانب مدرسہ اس پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں اور وہ ان کو کس حد تک پورا کرتا ہے، اگر اس میں کمی کوتاہی ہے تو اس کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ دیانت کے خلاف ہوگا اور اللہ کے یہاں جواب دہی مشکل ہوگی۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا، اس کے بعد جدید داخلوں کی کارروائی کا آغاز کردیا گیا۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com

AL-Fazl Computer Sre. 9359209995